جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف

اسم الكتاب : ....
زکاۃ کے فرضیت اور اس کے فضائل واحکام

تأليف : ....
فضيلة الشيخ رضآء الله الباجوري

الطبع : ....
....
الثانى سنة ١۴۴۶هـ

النّاشر : ..... مدرسة ترتيل القرآن شانرے باجور باكستان

مقدمۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ اَمَّا بَعْدُ!

نماز کے بعد ’’زکاۃ‘‘ دین اسلام کا انتہائی اہم رکن ہے۔ قرآن مجید میں بیاسی مرتبہ اس کا تاکیدی حکم آیا ہے زکاۃ نہ صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہے بلکہ اس سے پہلے بھی تمام امتوں پر زکاۃ فرض تھی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے زکاۃ ادا کرنے والوں کو ’’سچے مومن‘‘ قرار دیا ہے۔

{ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ Æ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا} (سورۃالانفال : 3-4)

’’وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں وہی سچے مومن ہیں۔‘‘ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زکاۃ ادا کرنے والے لوگ قیامت کے دن ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ ہوں گے۔

]اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْہِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ٢٧٧} (البقرہ:277)

’’جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں، نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں ان کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے، اور ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔‘‘ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 277)

ادائیگی زکاۃ گناہوں کا کفارہ اور بلندی درجات کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔

{ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَـةً تُطَهِّرُھُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا} (التوبہ:103)

’’اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم ان کے اموال سے زکاۃ لو تاکہ ان کو گناہوں سے پاک کرو اور ان کے (درجات) بلند کرو۔‘‘ زکاۃ ادا کرنے سے نہ صرف گناہ معاف ہوتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مال میں اضافہ کرنے کا وعدہ بھی کر رکھا ہے۔ سورہ روم میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:

{ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ 39]‏(الروم:39)

’’اور جو زکاۃ تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتے ہو، اس سے دینے والے ہی اپنے مال میں اضافہ کرتے ہیں۔‘ لفظ ’’زکاۃ‘‘ کا لغوی مفہوم پاکیزگی اور اضافہ ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے مفہوم کے مطابق اس عبادت سے انسان کا مال حلال اور پاک بنتا ہے اور نفس بھی تمام گناہوں اور برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ دوسرے مفہوم کے مطابق زکاۃ ادا کرنے سے نہ صرف مال میں اضافہ ہوتا ہے، بلکہ اجر و ثواب میں بھی

اضافہ ہوتا ہے۔ ادائیگی زکاۃ کے ان فوائد کے ساتھ ساتھ ایک نظر زکاۃ ادانہ کرنے کے نقصانات پر بھی ڈالنی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ حٰم سجدہ میں زکاۃ ادانہ کرنے کو کفر اور شرک کی علامت قرار دیا ہے۔

{ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝](حم سجدہ:6-7)

"تباہی ہے ان مشرکوں کے لئے جو زکاۃ ادانہیں کرتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "زکاۃ ادانہ کرنے والوں کا مال و دولت تباہ برباد ہو جاتا ہے۔"(طبرانی) "ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "زکاۃ ادانہ کرنے والے لوگ قحط سالی میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔" (طبرانی) دنیا میں اس تباہی اور بربادی کے علاوہ آخرت میں ایسے لوگوں کو جو سزا دی جائے گی اس کے بارے میں سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

{وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ 34ۙ يَّوْمَ يُحْمٰي عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰي بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭهٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ 35}(التوبہ: 34-35)

"دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو ان لوگوں کو جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ خزانہ ہے جسے تم اپنے لیے سنبھال کر رکھتے تھے، اب اپنے خزانے کا مزہ چکھو۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "قیامت کے روز زکاۃ ادانہ کرنے والوں کا مال و دولت گنجا سانپ (یعنی انتہائی زہریلا) بنا کر ان پر مسلّط کر دیا جائے گا جو انہیں مسلسل ڈستا رہے گا اور کہے گا" اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنزُکَ "میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔"(بخاری) جن جانوروں کی زکاۃ ادانہ کی جائے ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "وہ جانور اپنے مالکوں کو قیامت کے دن مسلسل پچاس ہزار سال تک اپنے سینگوں سے مارتے رہیں گے اور پاؤں تلے روندتے رہیں گے۔"(مسلم)

معراج کی رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے آگے پیچھے دھجیاں لٹک رہی تھیں اور وہ جانوروں کی طرح تھوہر کانٹے اور آگ کے پتھر کھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "یہ کون لوگ ہیں۔" حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا "یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکاۃ ادانہیں کرتے تھے۔"(بزار) یہ بات یاد رہے کہ آخرت میں جس سزا کا تذکرہ مذکورہ بالا آیات اور احادیث میں کیا گیا ہے یہ کفار کے لیے نہیں بلکہ ان "مسلمانوں" کے لیے ہے جو کلمہ شہادت کا اقرار کرنے اور نماز روزہ ادا کرنے کے باوجود زکاۃ ادانہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "زکاۃ ادا کرو تاکہ تمہارا اسلام مکمل ہو جائے۔" (بزار) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ادائیگی زکاۃ کے بغیر اسلام نامکمل ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب بعض لوگوں نے

زکاۃ دینے سے انکار کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اسی طرح جنگ کی جس طرح کفار کے خلاف کی جاتی ہے حالانکہ وہ لوگ کلمہ توحید کا اقرار کرتے تھے نماز اور زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کرنے والوں میں سارے کے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پورے شرح صدر کے ساتھ شامل تھے اس سے معلوم ہوا کہ وہ آدمی، جو زکاۃ ادا نہیں کر رہا اس کا ایمان اس کی نماز اور اس کا روزہ وغیرہ سب بے کار اور عبث ہیں۔" قرآن مجید کی آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اسلام کے رکن زکاۃ پر ایمان رکھنا اور عمل کرنا کتنا اہم اور ضروری ہے۔ نیز اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب زکاۃ اسلام کی تکمیل، گناہوں کے کفارے، تزکیہ نفس، رضائے الٰہی اور تقرب اِلی اللہ کا ذریعہ ہے تو یہ بذات خود ایک مطلوب اور مقصود عبادت ہے نہ کہ کسی دوسری عبادت کے حصول کا ذریعہ۔

دعاگو: ابو عطاء المنعم رضاءاللہ بن الحاج خان بادشاہ بن محمدرسول باجوری حفظہ اللہ ورعاہ وجعل الجنۃ مثواہ

27 ذوالحجۃ 1446 :2 2جون 2025یوم الاثنین الساعۃ الثالثۃ تمامًا بعدالظھر

زکوٰۃ کی تعریف

لفظ "زکوٰۃ" کا لغوی مفہوم پاکیزگی اور اضافہ ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس عبادت سے انسان کا مال حلال اور پاک ہو جاتا ہے، اور انسان کا نفس بھی تمام گناہوں کی آلودگی سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔

شریعت اسلامی میں زکوٰۃ کا معنی ہے :

خاص اموال میں جب وہ نصاب تک پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں سے مخصوص حصہ نکال کر مخصوص مستحقین تک پہنچانا۔

اس تعریف سے پانچ چیزیں واضح ہوتی ہیں:

(1) زکوٰۃ تمام اموال میں سے نہیں نکالی جائیگی، بلکہ صرف چند خاص اموال ہیں جن پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے۔ ان کی تفصیل آئندہ سطور میں آئیگی۔
(2) ہر کم و زیادہ مال و دولت پر زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ ایک خاص مقدار پر زکوٰۃ کا نفاذ ہو گا، یہ مقدار ہر مال کے لحاظ سے مختلف ہے۔ اس مقدار میں شریعت نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ صاحب مال پر کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالا جائے اور اتنی مقدار پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے کہ صاحب مال با آسانی اسے ادا کر سکتا ہے۔

(3) یہ بات بھی شریعت کی آسانی اور سماحت کا مظہر ہے کہ مال کے اس خاص مقدار کو پہنچتے ہی زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی بلکہ زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے ضروری ہے کہ اس مقدار پر ایک سال گزر جائے۔ یعنی اگر دوران سال مال کی اس خاص مقدار میں کمی واقع ہو جائے تو زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو جاتی ہے۔

(4)صاحب مال پر زکوٰۃ صرف اتنی فرض کی گئی جو ہر صاحب نصاب بڑی آسانی سے اور راضی خوشی ادا کر سکتا ہے، یعنی پورے مال کا صرف ڈھائی فیصد حصہ بطور زکوٰۃ کے فرض کیا گیا جو کہ بقیہ ساڑھے ستانوے فیصد مال کے سامنے کچھ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر احسان ہے، اگر یہی زکوٰۃ جمیع مال کا پچاس فیصد ہوتی تو یقیناً صاحب مال کے لئے بڑی مشقت اور حرج کا سامان ہوتی، لیکن اللہ رب العزت نے اس امت کے ساتھ خصوصی رحمت کا برتاؤ کرتے ہوئے صرف ڈھائی فیصد تک زکوٰۃ کو محدود رکھا۔

(5) زکوٰۃ کے مصارف خاص ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ ان کا بیان کر دیا ہے، یہ آٹھ مصارف ہیں جہاں پر زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے، اس کے علاوہ کسی اور جگہ زکوٰۃ کا مال دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہو گی۔ ان مصارف کا بیان ان شاء اللہ اگلی سطور میں ہو گا۔

☆زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت

نماز کے بعد " زکوٰۃ" دین اسلام کا انتہائی اہم رکن ہے۔ قرآن مجید میں بیاسی مرتبہ اس کا تاکیدی حکم آیا ہے۔ زکوٰۃ نہ صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہے بلکہ اس سے پہلے بھی تمام امتوں پر فرض کی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾(البقرة:۴۳)

ترجمہ: " اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے زکوۃ ادا کرنے والوں کو سچا مومن قرار دیا ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (٣)اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ (الأنفال:۳، ۴)

ترجمہ: "جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا تھا: "انہیں اس بات کا بھی علم دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی"۔(بخاری: 1331۔ مسلم: 19)

☆فرضیت زکوٰۃ کی حکمتیں اور فوائد

زکوٰۃ کی صحیح طور پر ادائیگی کے معاشرہ پر، زکوٰۃ ادا کرنے والے کے نفس اور مال پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

☆زکوٰۃ، مال میں اضافہ کا سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾(الروم: ٣٩)

ترجمہ:" اور جو کچھ صدقہ زکوٰۃ تم اللہ تعالیٰ کا منہ دیکھنے (اور خوشنودی کے لئے) دو تو ایسے لوگ ہی ہیں اپنا دوچند کرنے والے ہیں۔

☆انسان کے نفس اور مال کی پاکیزگی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ﴾(التوبہ:103)

ترجمہ:" آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں اور ان کے لئے دعا کیجئے"۔

☆غریبوں کے دل سے امراء کے خلاف حقد وحسد کے جذبات ختم کرنے کا سبب ہے۔

☆معاشرہ میں تعاون اوحمد ردی کے جذبات پروان چڑھانے میں معاون ہے۔

☆زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وعید

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے، البتہ وہ شخص جو زکوٰۃ کے وجوب کا اقرار تو کرتا ہو لیکن زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کے بارے میں سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ O ﴿يَّوْمَ يُحْمٰي عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰي بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭهٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبہ: 34، 35)

ترجمہ:" اور جو لوگ سونا چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس دن ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لئے خزانہ بنا رکھا تھا، پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو"۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:" کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال سے نوازا پھر اس نے اس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کے مال کو قیامت کے دن سانپ کی شکل کا بنایا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر نکتے ہوں گے، وہ سانپ اس کے گلے میں طوق بن جائے گا اور اس کے جبڑوں کو دبوچ کر کہے گا "میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ"۔ (صحیح بخاری1338)

☆زکوۃ کس پر واجب ہے؟

زکوۃ ہر اس شخص پر واجب ہے جس میں درج ذیل شروط پائی جائیں:

☆**اسلام**۔لہذا کافر پر زکوۃ واجب نہیں، اور نہ ہی کافر کے مال کی زکوۃ قبول کی جائیگی۔

☆ **آزادی**۔یعنی وہ شخص آزاد ہو، غلام پر زکوۃ واجب نہیں۔

☆**ملکیت**: وہ اس مال کا مالک ہو، لہذا ایسا مال جس کا وہ شخص مالک نہ ہو اس کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا، جیسے امانت یا رہن کے طور پر رکھوائے گئے مال پر وہ زکوۃ ادا نہیں کرے گا۔

☆**نصاب**۔یعنی اس کے پاس اتنا مال ہو جو نصاب تک پہنچ جائے، اور نصاب سے مراد وہ کم از کم حد ہے جس کے بعد مال پر زکوۃ نہیں ہوتی۔

☆اس مال پر ایک سال گزر جائے۔ البتہ زرعی پیداوار میں یہ شرط نہیں ہے بلکہ جب بھی فصل ہو گی اس میں سے زکوۃ ادا کرنا واجب ہے، چاہے سال میں دو فصلیں ہوں یا اس سے زیادہ یا کم۔

☆اس کا مال پاکیزہ ہو، حرام مال کی زکوۃ قبول نہیں ہوتی۔

☆جن چیزوں پر زکوۃ واجب ہے

☆ سونا چاندی اور جو اس کے متبادل ہو، یعنی کرنسی۔

سونے کا نصاب:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سونے پر اس وقت تک زکوۃ نہیں جب تک تمہارے پاس بیس (۲۰) دینار نہ ہوں، جب تمہارے پاس بیس دینار ہوں تو اس میں سے آدھا دینار زکوۃ ادا کرو"۔

بیس دینار کا وزن پچاسی (۸۵) گرام ہے، جو کہ تقریباً ساڑھے سات تولہ بنتے ہیں۔

چاندی کا نصاب:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ اوقیہ سے کم (چاندی) پر زکوٰۃ نہیں"۔(سنن نسائی: 2445)
ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہے، تو پانچ اوقیہ دو سو درہم کے برابر ہیں، اور دو سو درہم کا وزن پانچ سو پچانوے (۵۹۵) گرام ہے جو کہ تقریبا پچاس تولہ بنتے ہیں۔

زیورات کی زکوٰۃ:

زیورات کی زکوٰۃ کے حوالہ سے علماء میں اختلاف ہے، موجودہ دور کے اکثر علماء کرام کا یہی قول ہے کہ احتیاط کا تقاضہ ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ جب وہ نصاب کو پہنچ جائیں یعنی ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا پچاس تولہ چاندی ہو اور ان پر سال گزر جائے۔ اگر زیورات کی زکوٰۃ قیمت کے حساب سے دی جائے گی تو اس میں زیورات کی حالیہ قیمت کا اعتبار ہو گا اس کی اصل قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

کرنسی کا نصاب:

کرنسی سونا اور چاندی کا متبادل ہے، کیونکہ گزشتہ ادوار میں سونا اور چاندی بطور قیمت کے استعمال ہوتے تھے، موجودہ دور میں کرنسی بطور قیمت کے استعما موجودہ دور میں چونکہ چاندی سونے کی نسبت سستی ہے لہذا کرنسی کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر ہو گا، یعنی پچاس تولہ چاندی کی جو موجودہ قیمت ہے وہ کرنسی کا نصاب ہے۔

وضاحت:

زیورات کی قیمت کو کرنسی کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، بلکہ زیورات کا نصاب وزن ہے اور کرنسی کا نصاب قیمت ہے، یعنی اگر کسی شخص کے پاس چار تولہ سونے کے زیورات ہوں اور ان کی قیمت دو لاکھ روپے ہو تو وہ اس پر زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا کیونکہ نصاب مکمل نہیں ہے، سونے کے زیورات ساڑھے سات تولہ ہوں تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔

شیئرز:

ایسی کمپنی جس کا کاروبار حلال ہو اس کے حصص کی خرید وفروخت جائز ہے جب اس خرید وفروخت اور تبادلہ میں جوا شامل نہ ہو۔

سیئرز پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، اور اس کی ادائیگی کا طریقہ کار یہ ہے کہ شیئرز کی حالیہ قیمت اور وہ منافع جو سارا سال اس سے حاصل ہوا ہے کو جمع کیا جائے اور پھر اخراجات نکال کر باقی رقم سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

بانڈز:

بانڈز ایسے قرضہ جات کی رسید کو کہتے ہیں جو ایک انویسٹر کسی کمپنی کو ادا کرتا ہے اور کمپنی یہ قرضہ اس شخص کو ایک خاص مدت میں مخصوص منافع کے ساتھ ادا کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ بانڈز کا کاروبار حرام ہے، کیونکہ اس میں قرضہ پر ایک مخصوص منافع لیا جاتا ہے جو کہ سود ہے، لیکن علماء کے نزدیک سود کو نکال کر بانڈز کی اصل رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ جب وہ نصاب تک پہنچ جائے، کیونکہ ایسا قرضہ جس کا حصول متوقع ہو اس کو زکوٰۃ کے نصاب میں شمار کیا جائے گا۔

مویشی :

یعنی اونٹ، گائے، اور بکریاں۔ ان کے علاوہ باقی جانوروں پر زکوٰۃ نہیں، البتہ جب ان کی تجارت کی جائے تو ان پر بھی زکوٰۃ ہے۔ مویشیوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب وہ خود چرتے ہوں یا ان کے چارے پر مالک کا خرچہ نہ ہو۔ مویشیوں میں سے ہر جنس کی زکوۃ الگ الگ ہے جس کی تفصیل کتب احادیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔ وہ مویشی جنہیں اس غرض سے رکھا جائے کہ ان کا دودھ نکال کر بیچا جائے تو ان جانوروں کے عین پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ان کی دودھ کی تجارت سے حاصل کردہ رقم پر زکوۃ ہے جب وہ نصاب کو پہنچ جائے۔ اسی طرح وہ جانور جنہیں بیچنے کی غرض سے پالا جائے تو ان کے عین پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ان کی تجارت سے حاصل کردہ رقم پر زکوۃ ہے۔

☆سامان تجارت :

اس سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کی تجارت کی جاتی ہو، چاہے ان کے عین پر زکوٰۃ ہو یا نہ ہو۔

چاہے وہ اشیاء خرید کر آگے بیچی جائیں چاہے خود تیار کر کے۔ تجارت اور سامان تجارت سے زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دن خاص کر لیا جائے جس میں پورے سال کا آڈٹ (Audit) اور اس میں سال میں حاصل کردہ منافع اور موجودہ سامان تجارت کی حالیہ قیمت، اور ایسے قرضے جن کا حصول متوقع ہو کو جمع کیا جائے اور اس میں سے اخراجات، اور وہ قرضے جو واجب الاداہیں کو نکال کر باقی رقم سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

وضاحت:

مکان تجارت یعنی وہ جگہ جہاں سے تجارت کی جاتی ہو جیسے دکان، فیکٹری وغیرہ ان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں، اسی طرح جن مشینوں کو سامان کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہو ان پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

کرایہ پر دی گئی اشیاء:

کرایہ پر دی گئی اشیاء کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس کے کرایہ پر زکوٰۃ ہے۔ جیسے مکان، فلیٹ، فیکٹری، مشینری، گاڑی وغیرہ کو کرایہ پر دیا جائے تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ان سے حاصل کردہ کرایہ پر زکوٰۃ ہے۔

وضاحت:

زمین و مکان یا جائیداد وغیرہ اگر ایک شخص اپنے استعمال کی نیت سے خریدے تو ان پر زکوٰۃ نہیں، البتہ اگر اسے بیچنے اور تجارت کی غرض سے خریدے تو اس کی ہر سال کی حالیہ قیمت پر زکوٰۃ ہوگی، اور اسی طرح اگر اسے کرایہ پر دیدے تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہوگی بلکہ اس کے کرایہ پر زکوٰۃ ہوگی۔

☆زکوٰۃ کے مصارف

شریعت اسلامی میں جب بھی مال کی تقسیم کا معاملہ آیا ہے خاص طور پر وہ مال جس میں مشترکہ حقوق ہوں، تو اس تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی صوابدید پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ خود قرآن مجید میں اس کی تقسیم بیان فرمادی، جیسا کہ وراثت کا مال، مال غنیمت اور مال فیئ کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے مکمل وضاحت کے ساتھ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بیان فرمائی ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی تقسیم بھی کردی اور وہ افراد اور جہات متعین کردی ہیں جن کے علاوہ کسی اور کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور زکوٰۃ کے مال میں کچھ حصہ مانگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ” اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں کسی کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا چاہے وہ نبی ہو یا کوئی اور ہو، بلکہ خود اس کی تقسیم فرمائی ہے، اگر اس تقسیم کے مطابق تمہارا اس میں حصہ بنتا ہے تو بتادو میں تمہیں دے دوں گا“۔(سنن ابو داؤد(1630))

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم اپنی کتاب میں بیان فرمادی ہے مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ﴾ [التوبة: 60] کہ یہ اللہ کی طرف سے فرض کردہ ہے، لہٰذا کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تقسیم کے علاوہ کسی اور

جگہ تقسیم کرے"۔(احکام القرآن بیہقی(1/160)) سورۃ توبہ آیت (۶۰) میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصرف بیان کئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾ (التوبہ: 60)

ترجمہ: صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم و حکمت والا ہے"۔

ان آٹھ مصارف کی تفصیل درج ذیل ہے:

☆ فقیر: اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اپنی حاجات پورا کرنے کے لئے کچھ نہ ہو۔

☆ مسکین: اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال یا ذرائع ہوں لیکن وہ اس کی حاجات کے لئے کافی نہ ہوں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ﴾(الکہف: 79)

ترجمہ:" کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے"۔ تو معلوم ہوا کہ ان مساکین کے پاس کشتی تھی اور وہ کام بھی کرتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی وہ مسکین تھے۔

☆عامل زکوٰۃ:

یعنی وہ شخص جو زکوٰۃ جمع کرتا ہے، وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں لے سکتا بلکہ امیر یا حاکم اسے اس زکوٰۃ میں سے کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

☆تالیف قلبی:

یہ وہ واحد مصرف ہے جس میں کسی کافر کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اس مصرف میں تین قسم کے افراد شامل ہیں:

☆ جس کے مسلمان ہونے کی امید ہو۔

☆ جس کے فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا ہو۔ چاہے وہ شخص مسلمان ہو یا کافر۔

☆ جو علاقہ کا بڑا، قبیلہ کا سردار یا کوئی حیثیت رکھنے والا شخص ہو اور دعوت دین میں معاون ہو سکے، اسے بھی تالیف قلبی کی خاطر زکوۃ میں سے دیا جا سکتا ہے۔

☆ گردن آزاد کرانا :

اور موجودہ دور میں کسی بے گناہ مسلمان قیدی کی ضمانت کرانا۔

☆ قرضدار:

اس سے مراد ایسا قرضدار ہے جس نے کسی اسراف، فضول خرچی یا کسی گناہ کے کام کے لئے قرض نہ لیا ہو، بلکہ ضرورت کے تحت لیا ہو اور پھر اسے چکا نہ سکے۔

☆ فی سبیل اللہ:

آیتِ زکوٰۃ میں "فی سبیل اللہ" سے مراد عموم نہیں بلکہ خاص معنی ہے اور وہ ہے مجاہدین۔ نصوص شرعیہ کی رو سے جہاد کی تین قسمیں ہیں:

☆ جہاد بالقلم (قلم و تحریر کے ذریعہ جہاد)

☆ جہاد باللسان (زبان و کلام کے ذریعہ جہاد)

☆ جہاد بالسیف (تلوار و اسلحہ کے ذریعہ جہاد)۔

نصوص شرعیہ کی رو سے تینوں میں سے کسی بھی قسم کے ذریعہ دینِ اسلام، شعائرِ اسلام کا تحفظ و دفاع کرنے والے اس مصرف میں داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آیت کی ابتدا میں لفظ "اِنما" یعنی "فقط" کہہ کر یہ بتایا کہ یہ زکوۃ انہی آٹھ مصارف میں محدود رہے گی، اگر یہاں "فی سبیل اللہ" سے مراد ہر قسم کی نیکی اور فلاح کا کام مراد لیا جائے تو اس قید کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ لہٰذا مساجد کی تعمیر، ہسپتال اور مریضوں کے علاج و معالجہ، سڑکوں کی تعمیر اور دیگر فلاحی کاموں میں جن کا ذکر زکوۃ کے مصارف میں نہیں زکوۃ استعمال کرنا جائز نہیں۔

مساجد کی تعمیر اور اسی طرح سڑکوں، پلوں وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ زکوۃ کے آٹھ مصارف میں شامل نہیں۔(فتاوی نورعلی الدرب۔)

نوٹ: البتہ مریض میں فقراء یامساکین یادیگر مذکورہ مصارف میں سے ہوں تو انہیں مذکورہ مصارف میں سے ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے، ناکہ مریض ہونے کی وجہ سے۔

☆**مسافر:**

یہ زکوۃ کا آٹھواں مصرف ہے۔اس سے مرادوہ شخص ہے جو حالتِ سفر میں ہو، چاہے وہ اپنے علاقہ میں کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو حالتِ سفر میں آفت آجانے کی وجہ سے اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

ارفع واعلیٰ اقدار کی آبیاری:

خالق کائنات نے قرآن مجید میں انسان کی جن کمزوریوں کی نشاندہی فرمائی ہے ان میں سے ایک مال کی محبت ہے کہیں اللہ پاک نے اس حقیقت کا اظہار یوں فرمایاہے۔

{ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ Ď۝ۭ} (العادیات:8)

" انسان دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔" کہیں فرمایا

{ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا 20۝ۭ} (الفجر:20)

" تم لوگ مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو۔" کہیں ارشاد مبارک ہے۔

{ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ } (التغابن:15)

"تمہارے مال اور تمہاری اولاد) تمہارے لئے (آزمائش ہیں۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"ہر امت کے لئے ایک (خاص) آزمائش ہے اور میری امت کی آزمائش مال میں ہے۔" (ترمذی) سورہ 'ن' میں اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا سبق آموز قصہ بیان فرمایاہے۔ایک شخص بڑا نیک اور سخی تھا اس کے پاس ایک باغ تھا وہ باغ کی پیداوار سے اپنے گھر اور کھیتی باڑی کے اخراجات نکال کر باقی پیداوار اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کر تا تھا۔اللہ نے اس کے مال میں بڑی برکت ڈال رکھی تھی۔وہ آدمی فوت ہوا تو اس کی اولاد نے باہم مشورہ کیا کہ

ہمارا باپ تو بیوقوف تھا اتنی زیادہ رقم غریبوں اور مسکینوں میں مفت تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ آئندہ اگر ہم یہ سارا مال و دولت اپنے پاس ہی رکھیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں گے۔ چنانچہ جب پھل وغیرہ پک گیا اور فصل کاٹنے کا موقع آیا تو انہوں نے رات کے وقت آپس میں قسمیں کھائیں کہ ہم صبح اندھیرے اندھیرے باغ میں پہنچ جائیں گے اور کسی دوسرے کو خبر تک نہیں ہونے دیں گے تاکہ کوئی سائل اور محتاج آنے نہ پائے۔ حسب پروگرام وہ سب پچھلی رات گھر سے چپکے چپکے نکلے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ لہلہاتا ہوا، سرسبز و شاداب پھلا پھولا باغ جل کر خاکستر ہو چکا ہے۔ پہلے تو یہ سمجھے کہ شاید ہم راستہ بھول گئے ہیں، لیکن جب ہوش و حواس بحال ہوئے تو یقین آ گیا کہ یہ باغ ہمارا ہی تھا۔ تب اپنے جرم کا احساس ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور ان الفاظ میں اعتراف گناہ کیا۔

{ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ 31} (القلم:31)

"کہنے لگے ہائے افسوس ہم واقعی سرکش تھے۔" اللہ تعالیٰ نے اس سارے واقعہ پر انتہائی مختصر الفاظ میں رونگٹے کھڑے کر دینے والا تبصرہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ 33} (القلم:33)

"اسی طرح ہے عذاب (دنیا کا) اور آخرت کا عذاب تو (اس سے) بہت ہی برا ہے، کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔" (سورہ نون، آیت نمبر 33)

قرآن مجید کے اس واقعہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دولت انسان کے لئے کتنی بڑی آزمائش ہے۔ سورہ نون کے بے شمار کردار آج بھی ہم اپنے گردوپیش باآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ جو محض دولت کی حرص میں دین و ایمان ہی نہیں اپنی دنیا بھی برباد کئے بیٹھے ہیں۔

مال کی یہی محبت انسان کے اندر بخل، حرص، لالچ، خود غرضی اور سنگ دلی جیسے اخلاق رذیلہ پیدا کر کے اسے جھوٹ، دھوکہ، فریب، ظلم و جور، غصب، حق تلفی اور لوٹ کھسوٹ جیسے گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے جو نہ صرف اس دنیا میں فتنہ و فساد کا باعث بنتے ہیں بلکہ انسان کی آخرت تک کو برباد کر ڈالتے ہیں۔ زکاۃ کو فرض عبادت کا درجہ دے کر اللہ تعالیٰ انسان کے اندر مال کی محبت کم سے کم کر کے اعلی و ارفع انسانی اقدار مثلاً ایثار و قربانی، احسان، جود و سخا، ہمدردی، غم خواری، خیر خواہی، نرم دلی، محبت اور اخوت وغیرہ کی آبیاری کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اولین اسلامی معاشرہ میں مذکورہ بالا تمام اقدار کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں گویا تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکمل طور پر انہی اعلیٰ و ارفع اقدار کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ جنگ یرموک کے موقع پر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدید گرمی میں زخموں سے چور میدان جنگ میں شدت پیاس سے تڑپ رہے تھے کہ اتنے میں ایک مسلمان پانی لے کر آیا اور مجروح مجاہدین کے سامنے پیش کیا۔ پہلے نے کہا دوسرے کو پلاؤ، دوسرے نے کہا تیسرے کو پلاؤ، وہ ابھی تیسرے تک پہنچا نہیں تھا کہ پہلا شہید ہو گیا۔ تب دوسرے کی طرف پلٹا تو دیکھا کہ وہ بھی پیاسا اپنے مالک کے حضور پہنچ چکا ہے اور جب تیسرے کے پاس آیا تو وہ بھی اسی حالت میں اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ (بحوالہ ابن کثیر) بخاری اور مسلم کا روایت کردہ درج ذیل واقعہ انسانی تاریخ میں ایثار و قربانی کے حوالے سے اپنی طرز کا منفرد واقعہ ہے:

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں سخت بھوکا ہوں کھانا کھلایئے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری باری اپنے تمام گھروں میں آدمی بھیجا۔ ہر گھر سے یہی جواب ملا کہ آج تو ہمارے اپنے لئے بھی کچھ نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا "کون شخص آج کی رات اس آدمی کو اپنا مہمان بناتا ہے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں انہیں اپنا مہمان بناتا ہوں چنانچہ انہیں اپنے گھر لے گئے، جا کر بیوی کو بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں، لہٰذا ہمیں خود کھانے کو ملے یا نہ ملے انہیں ضرور دینا ہے۔ اہلیہ نے کہا 'گھر میں بچوں کے کھانے کے لئے کچھ ٹکڑے رکھے ہیں اور تو کچھ نہیں۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا' 'بچوں کو کسی نہ کسی طرح بہلا کر سلا دو اور ہم دونوں جب کھانا کھانے بیٹھیں تو تم کسی بہانے چراغ بجھا دینا میں ویسے ہی پاس بیٹھا رہوں گا اور مہمان سیر ہو کر کھانا کھالے گا۔ دونوں نے ایسا ہی کیا صبح جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' "کہ تم دونوں میاں بیوی کے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوئے ہیں اور ہنسے ہیں۔" اور یہ آیت نازل فرمائی۔

{ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ } (الحشر:09)

"اور خود حاجت مند ہونے کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔" مستدرک حاکم میں دیا گیا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک صحابی کو کسی نے بکری کی سری تحفہ بھجوائی۔ انہوں نے یہ سوچ کر کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ حاجت مند ہے اس کے ہاں بھیج دی، اس نے یہی سوچ کر تیسرے آدمی کے پاس بھیج دی۔ اس طرح سات گھروں کا چکر لگانے کے بعد وہ سری پہلے صحابی کے گھر پہنچ گئی۔ دور اول کے اسلامی معاشرہ میں ہمدردی و خیر خواہی اور قربانی و ایثار کی یہ اور ایسی ہی بے شمار دوسری مثالیں در اصل فطری نتیجہ تھیں انفاق فی سبیل اللہ کے احکام کا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا عہد مبارک بلاشبہ ایمان اور عمل دونوں اعتبار سے خیر القرون (بہتر زمانہ) ہے لیکن اس کے بعد بھی مسلمانوں کا معاشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ان قائم کردہ زندہ جاوید روایات سے کبھی یکسر محروم نہیں رہا۔

ایک قدم اور آگے:

صاحب نصاب مسلمان کے مال میں زکاۃ وہ کم سے کم مقدار ہے جسے ہر سال ادا کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا، لیکن اسلامی معاشرے میں محتاجوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں اور معذوروں کے دکھ درد میں شرکت کے لئے نیز آسمانی آفات مثلاً زلزلہ، سیلاب اور قحط وغیرہ کے موقع پر اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کے لئے اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ کا معیار زکاۃ سے کہیں آگے ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں بڑی کثرت سے نفلی صدقات اور خیرات کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں۔

{ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ٢٦١ } (البقرہ:261)

"جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے، اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اللہ تعالیٰ جس (کے عمل) کا اجر چاہتا ہے (اس کی نیت کے مطابق جتنا چاہتا ہے) بڑھا دیتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔"

{ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ 17ۙ } (التغابن :17)

"اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو تو وہ تمہیں کئی گناہ بڑھا کر دے گا اور تمہارے گناہوں سے در گزر فرمائے گا، اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان اور حوصلے والا ہے۔"

{ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ڛ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ 92؀} (آل عمران:92)

"تم لوگ اس وقت تک نیکی (کے معیار مطلوب) کو نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی وہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کر دو جنہیں تم محبوب رکھتے ہو۔"

{مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ 11ۚ } (الحدید : 11)

"کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے؟ بہترین قرض تا کہ اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کرے اور اس کے لئے بہترین اجر ہے۔" صدقہ و خیرات کی ترغیب میں چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں

1 "صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بجھاتا ہے، اور بری موت سے بچاتا ہے۔" (مسند احمد)

2 "قیامت کے دن صدقہ مومن پر سایہ بن جائے گا۔" (مسند احمد)

3 "صدقہ کرنے میں جلدی کرو کیونکہ مصائب صدقہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔" (رزین)

4 "صدقہ قیامت کے دن جہنم سے ڈھال ہو گا۔" (طبرانی)

5 "صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔" (مسلم)

6 "جو شخص کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز ریشم پہنائے گا، جو شخص کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے میوے کھلائے گا، جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں عمدہ شراب پلائے گا۔" (ابوداؤد، ترمذی)

7 "وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو رات پیٹ بھر کر سویا اور اس کا پڑوسی بھوکا رہا حالانکہ اسے اس بات کی خبر تھی۔" (طبرانی)

8 ”میں اور یتیم ......رشتہ دار یا غیر رشتہ دار......کا سرپرست جنت میں اس طرح ایک ساتھ ہوں گے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیاں کھڑی کر کے یہ بات ارشاد فرمائی)“ (صحیح مسلم) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انفاق فی سبیل اللہ کی زبانی ترغیب کے علاوہ امت کے سامنے ایسی عملی مثالیں پیش فرمائیں جو قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی بہترین ترجمان تھیں۔ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا”بیٹھ جاؤ،اللہ تعالیٰ دے گا۔“پھر دوسرا آیا،پھر تیسرا آیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بٹھالیا،کیوں کہ اس وقت آپ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں تھا۔اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے چار اوقیہ چاندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک اوقیہ تینوں سوالیوں میں تقسیم فرمادی اور پھر پوچھا”کوئی اور ہے لینے والا؟“ کوئی اور لینے والا نہیں تھا،رات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہیں آرہی تھی بار بار پہلو بدلتے یا اٹھ کر نماز پڑھنے لگتے۔ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا”کیا کوئی تکلیف ہے؟“ فرمایا”نہیں!“دوبارہ عرض کیا”کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ جس کی وجہ سے یہ بے قراری ہے؟“ فرمایا”نہیں!“ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پھر عرض کیا”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کیوں نہیں آرہی؟“ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ایک اوقیہ چاندی نکال کر دکھائی اور فرمایا”یہ ہے وہ چیز جس نے مجھے بے قرار کر رکھا ہے۔ڈر رہا ہوں کہ اسے خرچ کرنے سے قبل کہیں موت نہ آجائے۔“(رحمۃ للعالمین) جنگ حنین کے موقع پر چھ ہزار قیدی،چوبیس ہزار اونٹ،ایک ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی(125 کلو گرام)مال غنیمت میں حاصل ہوئی۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے کا سارا مال غنیمت تقسیم فرمادیا۔خود گھر سے جس خیر و برکت کے ساتھ تشریف لائے تھے اسی کے ساتھ واپس تشریف لے گئے۔“ (رحمۃ للعالمین) ایک آدمی نے حاضر ہو کر سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا”میرے پاس اس وقت دینے کے لئے تو کچھ نہیں البتہ میرے نام سے کوئی چیز خرید لو تو میں اس کا قرضہ ادا کر دوں گا۔یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طاقت نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا۔“رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی۔ایک انصاری نے عرض کیا”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خرچ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فقر کا خدشہ محسوس نہ کیجئے۔یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا”مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔“(ترمذی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کی اتباع میں اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انفاق فی سبیل اللہ کی ایسی ایسی نادر مثالیں پیش کیں کہ مذاہب عالم کی تاریخ ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک لاکھ درہم بھیجے جو انہوں نے اسی وقت غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیئے،اس دن آپ روزہ سے تھیں۔خادمہ نے عرض کیا”اگر افطار کے لئے کچھ بچا لیتیں تو اچھا تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا”اس وقت یاد دلاتیں تو رکھ لیتی۔“(مستدرک حاکم) سورہ بقرہ کی آیت

[مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا]نازل ہوئی تو ایک صحابی حضرت ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا”ہاں!“صحابی نے عرض کیا”اپنا ہاتھ دیجئے۔“پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!میں نے اپنا باغ جس میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں،اللہ تعالیٰ کو قرض دیا۔“سیدھے باغ میں آئے اور بیوی کو باغ سے باہر ہی کھڑے ہو کر آواز دی”بچوں کو باہر لے کر آجاؤ میں نے یہ باغ راہ خدا میں دے دیا ہے۔“(ابن ابی حاتم)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا"کل تمہاری مشکل دور ہو جائے گی۔" دوسرے روز علی الصبح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے تاجر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور غلہ خریدنا چاہا تاکہ بازار میں بیچا جاسکے اور لوگوں کی پریشانی دور ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا"میں نے یہ غلہ شام سے منگایا ہے تم مجھے خرید پر کتنا نفع دیتے ہو؟" تاجروں نے دس کے بارہ پیش کیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا" مجھے اس سے زیادہ ملتے ہیں۔"تاجروں نے دس کے چودہ پیش کئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا"مجھے اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔"انہوں نے پوچھا"ہم سے زیادہ دینے والا کون ہے؟ مدینہ کے تاجر تو ہم ہی ہیں۔"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا"مجھے ہر درہم کے عوض دس درہم ملتے ہیں کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟"تاجروں نے کہا"نہیں!"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا"تاجرو! گواہ رہنا میں یہ تمام غلہ مدینہ کے محتاجوں پر صدقہ کرتا ہوں۔"(ازالۃ الخفا از شاہ ولی اللہ)

سورہ آل عمران کی آیت[لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ] سن کر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا بہترین باغ صدقہ کر دیا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی پسندیدہ لونڈی اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر دی۔(تفسیر ابن کثیر) حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سات سو اونٹ بمعہ غلہ صدقہ کئے۔(ابو نعیم) حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حمص(شام کا صوبہ) کے گورنر تھے۔ماہانہ تنخواہ ملتی تو گھر والوں کے لیے کھانے پینے کا سامان خرید کر باقی رقم صدقہ کر دیتے۔(ابو نعیم)

انفاق فی سبیل اللہ کا یہ ہے وہ معیار جس پر اسلام اپنے پیروکاروں کو دیکھنا چاہتا ہے۔ان صفات کے حامل افراد سے وہ سوسائٹی اور معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں کوئی شخص بھوکا یا ننگا نہیں رہتا، کوئی مصیبت زدہ یا پریشان حال شخص بے سہارا نہیں رہتا کوئی یتیم یا بیوہ احساس محرومیت کا شکار نہیں ہوتی۔اسی معاشرہ کی کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔"مسلمانوں کی مثال باہمی محبت و مودت اور شفقت کے لحاظ سے جسم واحد کی سی ہے کہ اگر ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے۔"(بخاری و مسلم)

زکاۃ ایک مثالی معاشی نظام کی بنیاد:

کم و بیش دو سو سال پہلے "حریت فرد"اور"حریت فکر" جیسے خوبصورت الفاظ کے پردے میں سرمایہ دارانہ انداز فکر کو دنیا میں ایک نظام کے طور پر متعارف کرایا گیا جس کی بنیاد اس فلسفہ پر تھی کہ ہر آدمی اپنی دولت کا مکمل مالک اور مختار ہے، اسے جہاں چاہے جیسے چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ سوسائٹی اور معاشرے پر اس کے اثرات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں خواہ اس سے اس کا اپنا اخلاق اور کردار تباہ ہو یا پورے معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی پھیلے، سرمایہ دارانہ نظام اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا۔اسی طرح زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی ہوس میں چند گھروں کا سکون اور چین برباد ہو یا پوری کی پوری قوم اس کی ہوس زر کی بھینٹ چڑھے، سرمایہ دارانہ نظام اس پر کوئی قانونی یا اخلاقی پابندی عائد نہیں کرتا۔اس بے رحم اور سنگدلانہ شیطانی نظام میں جہاں اخلاقی لحاظ سے انسانی اقدار کی کوئی قدر و قیمت نہیں وہاں معاشی لحاظ سے سرمایہ صرف سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ہی گردش کرتا رہتا ہے جب کہ بے سرمایہ افراد قرضوں اور سود در سود کے بوجھ تلے دبے چلے جاتے ہیں۔دنیا جب اس نظام کی فریب کاریوں سے آگاہ ہوئی تو

"مساوات" اور "عدل" جیسے دلکش الفاظ کے حوالے سے دنیا کو ایک دوسرے شیطانی نظام... اشتراکیت...سے متعارف کرایا گیا جس کا بنیادی فلسفہ "حریت فرد" اور "حریت فکر" کی مکمل نفی تھی۔ حکومت تمام وسائل، دولت، زمینوں، کارخانوں، فیکٹریوں اور دیگر اموال وغیرہ کی مالک اور فرد مکمل طور پر محروم! فرد ایک لگی بندھی غلامانہ زندگی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا اور حکومت کے چند افراد پوری قوم کی تقدیر کے مالک و مختار! حکیم الامت علامہ اقبال رحمہ اللہ علیہ نے اشتراکی نظام پر کتنا اچھا تبصرہ کیا ہے۔

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت

پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

پہلا نظام ظلم اور جبر کی ایک انتہا تھا اور دوسرا نظام اسی ظلم اور جبر کی دوسری انتہا ثابت ہوا۔ جس طرح دنیا ایک صدی کے اندر اندر سرمایہ دارانہ نظام سے مایوس ہو گئی اسی طرح دنیا دوسری صدی کے اختتام سے پہلے ہی اشتراکی نظام پر لعنت بھیجنے لگی اس صدی کے موجودہ عشرہ (1981ء- 1990ء) کو اگر اشتراکیت کی موت کا عشرہ قرار دیا جائے تو شاید بے جا نہ ہو گا جس میں نہ صرف یہ کہ اشتراکی ممالک نے اشتراکیت کا طوق گلے سے اتار پھینکا ہے بلکہ خود اشتراکیت کے علمبرداروں کے اپنے دیس "روس" میں بھی اس ظالمانہ نظام کے خلاف علم بغاوت بلند ہونے لگا ہے۔ تجربے نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ انسانوں کے لیے انسانوں کے بنائے ہوئے نظام اور قوانین کبھی بھی راہ نجات نہیں بن سکتے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مقابلے میں اسلامی نظام معیشت کی بنیاد اس تعلیم پر ہے۔ کہ اس کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، دولت اور وسائل دولت کا حقیقی مالک بھی وہی ہے۔ قرآن مجید نے مختلف جگہ پر مختلف انداز میں اس کی نشاندہی فرمائی ہے۔ سورہ نور میں ارشاد مبارک ہے:

{ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ } (سورۃنور: 33)

"آزادی کے خواہشمند غلاموں کو اس مال سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا۔"

سورہ حدید میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

{ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ } (سورۃالحدید: 7)

"جس مال پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے، اس میں سے خرچ کرو۔" قرآن مجید میں پچاس سے زیادہ آیات ایسی ہیں جن میں اللہ کریم نے کہیں رَزَقْنَاهُمْ اور کہیں رَزَقْهُمُ اور کہیں رَزَقْنَاكُمْ اور کہیں رَزَقْتُكُم کہہ کر لوگوں کو رزق دینے کی نسبت اپنی طرف کی ہے، جس سے انسان کو یہ حقیقت ذہن نشین کروانا مقصود ہے کہ یہ مال و دولت جسے انسان اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے اپنی ملکیت سمجھنے لگتا ہے۔ دراصل یہ اللہ کی ملکیت ہے جو اس نے اپنے بندوں کو امانت کے طور پر دے رکھی ہے۔ لہٰذا انسان اس بات کا پابند ہے کہ جو دولت اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی کے

حکم کے مطابق استعمال کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں معاملات...دولت کمانے اور دولت خرچ کرنے...میں انسان کو حدود و قیود بتا دیں۔ دولت کمانے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے جن ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کو حرام قرار دیا ہے وہ یہ ہیں۔

1 رشوت اور غصب (سورہ بقرہ، آیت نمبر 188)

2 خیانت (سورہ آل عمران، آیت نمبر 61)

3 بت گری و بت فروشی (سورہ مائدہ، آیت نمبر 90)

4 چوری (سورہ مائدہ، آیت نمبر 38)

5 ناپ تول میں کمی (سورہ مطففین، آیت نمبر 13)

6 مال یتیم میں حق تلفی (سورہ نساء، آیت نمبر 1)

7 اتفاقیہ آمدنی والے تمام ذرائع مثلاً جوا وغیرہ (سورہ مائدہ، آیت نمبر 9)

8 شراب کی تیاری، خرید و فروخت اور نقل و حمل کی آمدنی (سورہ مائدہ، آیت نمبر 90)

9 فحاشی اور بے حیائی پھیلانے والے کاروبار (سورہ نور، آیت نمبر 19)

01 سودی کاروبار (سورہ آل عمران، آیت نمبر 30)

11 قحبہ گری اور زنا کی آمدنی (سورہ نور، آیت نمبر 33)

12 قسمتیں بتانے کا کاروبار (سورہ مائدہ، آیت نمبر 90)

اس کے علاوہ ایسے تمام ذرائع جو جھوٹ دھوکے اور فریب پر مبنی ہوں اسلام کے نزدیک ناجائز اور حرام ہیں۔ مذکورہ بالا احکامات کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ شریعت اسلامی نے زیادہ دولت کمانے کے لالچ میں غلہ روکنے کو سنگین جرم قرار دیا ہے۔

اب ایک نظر دولت خرچ کرنے کے احکامات پر بھی ڈال لیجئے جن جن راستوں پر اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا یا ترغیب دلائی ہے وہ یہ ہیں:

1 والدین، عزیز و اقارب، یتیموں، مسکینوں اور ہمسایوں پر خرچ کرنا (سورہ نساء، آیت نمبر 36)

2سوالی اور معذور لوگوں پر خرچ کرنا۔(سورہ الذاریات، آیت نمبر10)

3قرض دینا۔(سورہ البقرہ، آیت نمبر28)

4زکاۃ ادا کرنا۔(سورہ التوبہ، آیت نمبر103)

5صدقات ادا کرنا۔(سورہ البقرہ، آیت نمبر271)

متذکرہ بالا احکامات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مال اپنے پاس روکنے اور جمع کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔(سورہ التوبہ، آیت نمبر34)اور ساتھ ہی اسراف(فضول خرچی)اور بخیلی سے بھی منع فرمادیا۔(سورہ فرقان، آیت نمبر67) اس کے ساتھ ساتھ شریعت نے ایسے تمام راستوں پر دولت خرچ کرنے سے سختی سے منع فرمادیا جس سے آدمی کا اپنا اخلاق تباہ ہوتا یا معاشرے میں کوئی بگاڑ پیدا ہوتا ہو مثلاً شراب، جوا، زنا وغیرہ یہ بات یاد رہے کہ یہ حدود مقرر کرنے کے بعد شریعت نے شخصی ملکیت پر کسی قسم کی پابندی یا حد مقرر نہیں کی، جائز اور حلال طریقے سے کوئی شخص کروڑوں کا مالک بن جائے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ دولت کمانے اور خرچ کرنے کے احکامات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد پورے وثوق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نے معاشرہ میں ہر طبقے کے ہر فرد کو پورا پورا معاشی تحفظ عطا کیا ہے اور حق تلفی و لوٹ کھسوٹ کے تمام راستے بند کردیے ہیں۔

دولت کمانے اور خرچ کرنے کے تمام احکامات کا الگ الگ جائزہ لینا یہاں ممکن نہیں البتہ دولت خرچ کرنے کے بارے میں ایک اہم ترین حکم...وجوب زکاۃ...اور دولت کمانے کے بارے میں ایک اہم ترین حکم...حرمتِ سود...کا مختصر جائزہ یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔

گذشتہ دور حکومت میں ملکی سطح پر جس طرح کی "ہارس ٹریڈنگ" کے واقعات اخبارات میں آتے رہے ہیں اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وطن عزیز پاکستان میں اب سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں کروڑ پتی لوگ موجود ہیں۔ایک شخص جس کے پاس دس کروڑ روپے ہوں اس کی سالانہ زکاۃ پچیس لاکھ روپے بنتی ہے۔اگر ایک شہر میں صرف ایک کروڑ پتی رہتا ہو جو ایمانداری سے اپنی زکاۃ ادا کرتا ہو تو چند سالوں میں ہی اس شہر کے بیشتر محتاجوں اور مسکینوں کے معاشی مسائل حل ہوسکتے ہیں اور اگر پاکستان کے ہر شہر اور علاقے کے تمام صاحب نصاب افراد اپنی اپنی زکاۃ ادا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر شہر اور علاقہ معاشی لحاظ سے خوش حال نہ ہو۔ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان کی سالانہ زکاۃ پانچ ارب روپے بنتی ہے۔صرف ایک سال کی زکاۃ سے اگر اوسط درجے کے مکان تعمیر کئے جائیں تو دو لاکھ مکان تعمیر ہوسکتے ہیں۔

اتنی ہی رقم میں اگر یتیم اور بے سہارا بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا مقصود ہو تو سارے ملک میں ایک سال کی زکاۃ سے تین سو ایسے مراکز تعمیر کیے جاسکتے ہیں جن میں ایک لاکھ ستر ہزار بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام ہوسکتا ہے۔اس سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ اگر ملک میں صحیح طریقے سے نظام زکاۃ نافذ ہو جائے تو چند ہی سالوں کے اندر اندر پورے ملک میں عظیم معاشی انقلاب بپا ہوسکتا ہے۔زکاۃ کے فیوض و برکات کا ایک دوسرے پہلو سے بھی جائزہ لیجئے۔صرف ایک سال کی زکاۃ، پانچ ارب روپے سے جہاں دو لاکھ بے خانماں لوگوں کو جو گھر میسر آئیں گے اور

ایک لاکھ ستر ہزار بچوں کی کفالت ہو گی وہاں دو لاکھ مکانوں کی تعمیر یا تین سو مراکز کی تعمیر کے لیے پانچ ارب روپیہ گردش میں آئے گا۔ جس کا کثیر حصہ کاریگروں، مستریوں، مزدوروں اور دوکانداروں کے ہاتھوں میں جائے گا جو براہ راست عام آدمی کی خوشحالی کا باعث بنے گا۔ گویا زکاۃ کا حکم ایسا کثیر الفوائد عمل ہے جو دین کی تکمیل اور تقرب الی اللہ کے علاوہ ایک عام آدمی سے لے کر پورے ملک کی اجتماعی خوشحالی کا ضامن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکاۃ فرض ہونے کے چند ہی سال بعد مدینہ کی اسلامی ریاست میں اس قدر خوش حالی ہو گئی تھی کہ زکاۃ دینے والے بہت تھے اور لینے والا کوئی نہ تھا۔ اب شریعت اسلامی کے دوسرے اہم حکم... حرمتِ سود... کا جائزہ لیجئے۔ ہمارے ہاں بنک اور مختلف ادارے یا کمپنیاں چھ فی صد سے لے کر دس، بیس اور تیس فی صد تک سود دیتی ہیں۔ بعض سکیمیں ایسی بھی ہیں جن میں چار پانچ سال بعد اصل رقم دگنی ہو جاتی ہے۔ ان سب سے بڑھ کر ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس کی سکیم ہے جس میں دس سال بعد اصل رقم 4ء26 گنا یعنی 426 فی صد اضافہ کے ساتھ واپس کی جاتی ہے۔ یاد رہے چند سال قبل یہ رقم 3ء9 گنا تھی جو اب بڑھا کر 4ء26 کر دی گئی ہے۔ مثلاً ایک شخص ہر ماہ دس ہزار روپے دس سال تک اس سکیم میں جمع کرواتا ہے، تو دس سال بعد یہ شخص ہر ماہ 42 ہزار 6 سو روپے وصول کرے گا ایک اور سکیم "ماہانہ آمدنی اکاؤنٹ" کے نام سے بھی جاری کی گئی ہے۔ جس میں اگر کوئی شخص پانچ سال کے لئے ہر ماہ دس ہزار روپے (یا کم و بیش جتنے بھی چاہے) کم سے کم رقم 100 روپے جمع کرواتا رہے تو پانچ سال کے بعد اس شخص کو تاحیات دس ہزار روپے ماہانہ (یا جتنی رقم وہ پانچ سال تک ہر ماہ جمع کرواتا رہے) ملتے رہیں گے۔ گویا سرمایہ دار گھر بیٹھے کسی محنت اور مشقت کے بغیر۔ ہزاروں سے لاکھوں اور لاکھوں سے کروڑوں روپے کما سکتا ہے ایسے شخص کو فیکٹری یا کارخانہ وغیرہ لگا کر محنت کے علاوہ نقصان کا خطرہ مول لینے کی آخر کیا ضرورت ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ سرمایہ دار تو مختلف کمپنیوں یا سکیموں سے بڑھتا چڑھتا سود وصول کر لیتا ہے لیکن یہ آتا کہاں سے ہے۔ چھوٹے درجے کے صنعتکاروں، متوسط طبقہ کے تاجروں، چھوٹے زمینداروں، کسانوں اور مزدوروں کی جیب سے، جن کی تعداد ملک کے اندر بلاشبہ کروڑوں میں ہے یہ لوگ ایک دفعہ سود کے چکر میں پھنستے ہیں تو عمر بھر نکل نہیں پاتے۔

حکیم الامت علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے

سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات

سودی نظام کے ذریعے فرد واحد پر جو ظلم ہو رہا ہے وہ تو ہے ہی۔ لمحہ بھر کے لیے غور فرمائیں۔ ملکی معیشت پر یہ سودی نظام کتنی بڑی لعنت بن کر مسلط ہے۔ سرمایہ دار اپنا سرمایہ بنکوں یا مختلف سکیموں میں رکھ کر سود در سود کھاتا رہتا ہے۔ سرمایہ رکھنے کی وجہ سے ملکی پیداوار، کاروبار اور تجارت میں شدید کمی واقع ہوتی ہے۔ اور یوں برآمدات میں کمی اور درآمدات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے جو بالاخر ملک میں زر مبادلہ کی کمی اور کثیر غیر ملکی قرضوں کا باعث بنتا ہے۔ ان قرضوں کی ادائیگی کے لیے حکومت ہر سال ٹیکسوں میں اضافہ کر دیتی ہے۔ کسٹم ڈیوٹیاں بڑھتی ہیں جس کے نتیجے میں اشیائے صرف کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح عام آدمی جو براہ راست سود میں ملوث نہیں ہوتا۔ سودی نظام کی وجہ سے وہ بھی بمشکل جسم

وجان کا رشتہ قائم رکھ پاتا ہے۔شریعت نے سود کی اس درجہ وعید بلاوجہ تو نہیں بتائی۔ قرآن مجید میں اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔

(سورہ بقرہ، آیت نمبر279)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے "سود کے ستر درجے ہیں،ان میں سے کم تر درجہ ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔(ابن ماجہ)

معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے اور ان میں سانپ ہی سانپ بھرے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔(مسند احمد،ابن ماجہ) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون میں وجوب زکاۃ اور حرمت سود دونوں حکم پوری بنی نوع انسان کے لیے برکت ہی برکت اور خیر ہی خیر ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ آج جب پوری نوع انسانی سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے مایوس اور اشتراکی نظام معیشت سے بغاوت کر چکی ہے اور نہیں جانتی کہ کیا کرے کدھر جائے،اسلامی نظام معیشت کے علمبردار، جنہیں اس وقت پوری دنیا کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے تھا خود باطل نظاموں کی فریب کاریوں کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔

مانگتے پھرتے ہیں اغیار سے مٹی کے چراغ

اپنے خورشید پہ پھیلا دیے سائے ہم نے

مستقبل میں جب بھی کبھی مسلمانوں کو جاندار قیادت میسر آگئی جو اسلامی نظام حیات کو اس کی حقیقی شکل میں متعارف کرواسکی تو ہمیں یقین کامل ہے کہ جبر وظلم، جھوٹ وفریب اور خود غرضی کی ستائی ہوئی دنیاعدل وانصاف،امن وسکون اور حریت واخوت کے اس آسمانی نظام کو آزمانے میں ان شاء اللہ لمحہ بھر کا تامل نہیں کرے گی۔

قارئین کرام!زکاۃ کے مسائل بلاشبہ بہت دقیق اور عمیق ہیں اسی لیے ہم نے زیادہ سے زیادہ علمائے کرام سے استفادہ کی کوشش کی ہے۔ تاہم اہل علم حضرات کی آراء اور مشوروں کا ہمیں انتظار رہے گا۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ احادیث صحیحہ کے حوالے سے قدیم اور جدید قسم کے تمام مسائل شامل اشاعت ہوں تاکہ اس معاملے میں عوام الناس کی زیادہ سے زیادہ راہنمائی ہو سکے۔ ہم اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں،اس کا اندازہ قارئین کرام ہی لگا سکتے ہیں۔

قارئین کرام!سلسلہ اشاعت حدیث سے ہمارے پیش نظر درج ذیل مقاصد ہیں۔

(ا) حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ اسی طرح کا تعلق محسوس کریں جیسا کتاب اللہ کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔

(ب) دینی مسائل سیکھنے اور سمجھنے کے لیے لوگوں میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنے کا رجحان پیدا ہو۔

(ج) کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونے والے مسائل کو بلا تامل ترک کرنے کی سوچ عام ہو۔ آپ اس حقیقت سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ اب تک جس قدر عام فہم، آسان اور عوامی انداز میں کتاب اللہ پر مختلف پہلوؤں سے کام ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے اس قدر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کام نہیں ہوا لہٰذا اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عقائد، احکام، مسائل، مناقب اور تفسیر وغیرہ سے متعلق صحیح احادیث پر مشتمل کتابچے ان شاء اللہ یکے بعد دیگرے طبع کروانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے اب تک اس سلسلہ میں جو کام ہو چکا ہے اس کی تفصیل آپ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ حضرات جو متذکرہ بالا مقاصد سے اتفاق رکھتے ہیں ان سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ اشاعت حدیث کی جدوجہد کو اپنی جدوجہد سمجھیں اور اس سلسلہ میں جو بھی خدمت سرانجام دے سکتے ہوں خود آگے بڑھ کر سرانجام دیں۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ ان کتب کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچایا جائے۔[

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ 13؀] (سورہ شوریٰ :13)

"اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے (اپنے کام کے لیے) چن لیتا ہے، اور اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔"

آخر میں مجھے اپنے ان تمام بھائیوں اور بزرگوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جو اشاعت حدیث کے لیے بڑی محنت اور خلوص سے مسلسل کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان تمام عاجز اور گناہ گار بندوں کی اس حقیر سی کوشش کو اپنے فضل خاص سے شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

{ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ }

اے ہمارے پروردگار! ہماری اس خدمت کو قبول فرما تو یقیناً خوب سننے اور خوب جاننے والا ہے۔

اَلنِّيَّـــــــةُ

نیت کے مسائل

مسئلہ نمبر:1 اعمال کے اجر و ثواب کا دارومدار نیت پر ہے۔

مسئلہ نمبر:2 زکاۃ ادا کرتے وقت نیت کرنا ضروری ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ ۔رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ[1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے ”اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی، لہٰذا جس نے دنیا حاصل کرنے کی نیت سے ہجرت کی (اسے دنیا ملے گی) یا جس نے عورت حاصل کرنے کی نیت سے ہجرت کی (اسے عورت ہی ملے گی) پس مہاجر کی ہجرت اسی چیز کے لئے سمجھی جائے گی جس غرض کے لئے اس نے ہجرت کی۔“ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر: 3 دکھاوے کی زکاۃ، نماز اور روزہ سب شرک (اصغر) ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ ((مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ))

رَوَاہُ اَحْمَدُ[2] (حسن) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے ”جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا صدقہ کیا، اس نے شرک کیا۔“ اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

[1]صحیح بخاری ، کتاب بدء الوحی ، باب کیف بدء الوحی [2] الترغیب والترہیب للشیخ محی الدین الدیب الجزء الاول رقم الحدیث 43

فَرْضِیَّـــــــــــةُ الزَّکَاۃِ

زکاۃ کی فرضیت

مسئلہ نمبر: 4 زکاۃ ادا کرنا اسلام کے پانچ بنیادی فرائض میں سے ایک فرض ہے ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ((بُنِیَ الْاِسْلاَمُ عَلٰی خَمْسٍ شَہَادَۃِ اَنْ لاَّ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلاَۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکَاۃِ وَ الْحَجِّ وَ صَوْمِ رَمَضَانَ)) رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں, زکاۃ ادا کرنا نماز قائم کرنا,, حج اور... رمضان کے روزے رکھنا۔“ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر:5زکاۃ ادا کرنے کے عہد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی۔

قَالَ جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِاللهِ بَايَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلٰى اِقَامِ الصَّلاَةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ ۔رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ[2]

حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں "میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے،زکاۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔"اسے بخاری نے روایت کیا ہے

مسئلہ نمبر:6زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔

مسئلہ نمبر:7زکاۃ ایک فرض عبادت ہے،اس کی جگہ کوئی صدقہ خیرات یا ٹیکس وغیرہ ادا کرنے سے زکاۃ کا فرض ساقط نہیں ہوتا۔

۔ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضى الله عنہ قَالَ لَمَّا تُوُفِّىَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ رضى الله عنہ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ

[1]صحیح بخاری ، کتاب الایمان باب بنی الاسلام علی خمس [2] صحیح بخاری کتاب الزکاۃ باب البیعۃ علی ایتاء الزکاۃ

مِنَ الْعَرَبِ فَقَالَ عُمَرُ رضى الله عنہ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ((أُمِرْتُ اَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللهَ فَمَنْ قَالَہَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّى مَالَہٗ وَنَفْسَہٗ اِلاَّ بِحَقِّہٖ وَحِسَابُہٗ عَلَى اللهِ)) فَقَالَ: وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلاَةِ وَالزَّكَاةِ فَاِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِىْ عَنَاقًا كَانَ يُؤَدُّوْنَہَا اِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُہُمْ عَلٰى مَنْعِہَا قَالَ عُمَرُ رضى الله عنہ فَوَاللهِ مَا ہُوَ اِلاَّ اَنْ قَدْ شَرَحَ اللهُ صَدْرَ اَبِىْ بَكْرٍ رضى الله عنہ فَعَرَفْتُ اَنَّہُ الْحَقُّ ۔رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عرب کے کچھ لوگ کافر ہو گئے(اور زکاۃ بیت المال میں جمع کرانے سے انکار کر دیا)حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا"کہ آپ لوگوں سے کیوں کر جہاد کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں۔جب یہ کہنے لگیں تو انہوں نے اپنے مال اور اپنی جانیں مجھ سے بچالیں۔مگر حق کے ساتھ،اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گا۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا"اللہ کی قسم!میں تو اس سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرے گا۔کیونکہ زکاۃ کا مال حق ہے۔واللہ!اگر یہ لوگ ایک بکری کا بچہ بھی،جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔مجھے نہ دیں گے تو ان سے ضرور لڑائی کروں گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا"واللہ!اللہ تعالیٰ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا،اور میں جان گیا کہ حق یہی ہے۔اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

[1]صحیح بخاری ، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ

فَضْلُ الـــــــزَّکَاۃِ

زکاۃ کی فضیلت

مسئلہ نمبر:8 زکاۃ ادا کرنے والا جنتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ اَنَّ اَعْرَابِیًّا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُہٗ دَخَلْتُ الْجَنَّۃَ ، قَالَ ((تَعْبُدُ اللہَ لاَ تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَ تُقِیْمُ الصَّلاَۃَ الْمَکْتُوْبَۃَ وَ تُؤَدِّی الزَّکَاۃَ الْمَفْرُوْضَۃَ وَ تَصُوْمُ رَمَضَانَ)) قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لاَ أَزِیْدُ عَلٰی ہٰذَا فَلَمَّا وَلّٰی قَالَ النَّبِیُّ ﷺ ((مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِنْ اَہْلِ الْجَنَّۃِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی ہٰذَا)) رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا" مجھے ایسا عمل بتائیے جسے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اللہ تعالیٰ کی عبادت کر،اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، فرض نماز قائم کر، فرض زکاۃ ادا کر،اور رمضان المبارک کے روزے رکھ۔"اس نے کہا"اللہ کی قسم!میں اس سے زیادہ کچھ نہ کروں گا۔جب وہ آدمی واپس ہوا،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جسے جنتی آدمی دیکھنا پسند ہو،وہ اسے دیکھ لے۔"اسے بخاری نے روایت کیا ہے

مسئلہ نمبر:9 زکاۃ ادا کرنے والے کے ایمان کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

عَنْ اَبِیْ مَالِکٍ الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ قَالَ ((اِسْبَاغُ الْوَضُوْئِ شَطْرُ الْاِیْمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ وَالتَّسْبِیْحُ وَالتَّکْبِیْرُ یَمْلَأُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، وَالصَّلاَۃُ نُوْرٌ وَالزَّکَاۃُ بُرْہَانٌ ، وَالصَّبْرُ ضِیَائٌ ، وَالْقُرْآنُ حُجَّۃٌ لَّکَ اَوْ عَلَیْکَ ،)) ۔رَوَاہُ النِّسَائِیُّ[2]

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے"وضو اچھی طرح کرنا

[1]صحیح بخاری ، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ [2] صحیح سنن نسائی للالبانی الجزء الثانی رقم الحدیث 2286

نصف ایمان ہے،اور الحمدللہ(کہنا)میزان کو(نیکیوں سے)بھر دیتا ہے،سبحان اللہ اور اللہ اکبر(کہنا) آسمان وزمین کو (نیکیوں سے)بھر دیتے ہیں۔نماز(قیامت کے دن)روشنی ہوگی اور زکاۃ(صاحب ایمان ہونے کی)دلیل ہے،صبر کرنا(پریشانیوں اور مصائب میں راہ دکھانے کے لئے)روشنی ہے اور قرآن(قیامت کے روز گواہی دے کر) تیرے حق میں حجت بنے گا یا تیرے خلاف حجت بنے گا۔" اسے نسائی نے روایت کیا ہے۔

عَنْ خَالِدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِاللہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فَقَالَ اَعْرَابِیٌّ اَخْبِرْنِیْ عَنْ قَوْلِ اللہِ (وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّہَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلاَ یُنْفِقُوْنَہَا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ) قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا مَنْ کَنَزَہَا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکَاتَہَا فَوَیْلٌ لَّہٗ اِنَّمَا کَانَ ہٰذَا قَبْلَ اَنْ تُنْزَلَ الزَّکَاۃُ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَہَا اللہُ طُہْرًا لِلْاَمْوَالِ ۔رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ[1]

حضرت خالد بن اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے تو ایک دیہاتی نے کہا" مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول

(وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ) کے مطلب سے آگاہ فرمایئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا" جس آدمی نے سونا چاندی جمع کیا اور اس کی زکاۃ نہ دی تو اس کے لئے خرابی ہے اور یہ آیت زکاۃ کا حکم اترنے سے پہلے کی ہے۔ جب زکاۃ فرض ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مال زکاۃ کے ذریعے پاک کر دیا ۔اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر:10 زکاۃ ادا کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔

وضاحت: حدیث مسئلہ نمبر128 کے تحت ملاحظہ فرمائیں

[1]صحیح بخاری کتاب الزکاۃ باب ما ادی زکاتہ فلیس بکنز

أَہْمِیَّـــــــــةُ الزَّکَاةِ

زکاۃ کی اہمیت

مسئلہ نمبر:11 جس سونے اور چاندی کی زکاۃ ادا نہ کی جائے، قیامت کے دن اس سونے اور چاندی کی تختیاں بنا کر آگ میں گرم کی جائیں گی اور ان سے اس کے مالک کی پیشانی پیٹھ اور پہلو داغے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر:12 جن جانوروں کی زکاۃ ادا نہ کی جائے قیامت کے دن وہ جانور اپنے مالک کو پچاس ہزار سال تک اپنے پاؤں تلے روندتے رہیں گے۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ((مَا مِنْ صَاحِبِ ذَہَبٍ وَلاَ فِضَّۃٍ لاَّ یُؤَدِّیْ مِنْہَا حَقَّہَا اِلاَّ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ صُفِّحَتْ لَہٗ صَفَائِحَ مِنْ نَارٍ فَاُحْمِیَ عَلَیْہَا فِیْ نَارِ جَہَنَّمَ فَیُکْوٰی بِہَا جَنْبُہٗ وَجَبِیْنُہٗ وَظَہْرُہٗ کُلَّمَا رُدَّتْ اُعِیْدَتْ لَہٗ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرَی سَبِیْلَہٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ)) قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَالْاِبِلُ ؟ قَالَ ((وَلاَ صَاحِبُ اِبِلٍ لاَّ یُؤَدِّیْ مِنْہَا حَقَّہَا وَمِنْ حَقِّہَا حَلَبُہَا یَوْمَ وِرْدِہَا اِلاَّ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ بُطِحَ لَہَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ اَوْفَرَ مَا کَانَتْ لاَ یَفْقِدُ مِنْہَا فَصِیْلاً وَاحِدًا تَطَؤُہٗ بِاَخْفَافِہَا وَتَعَضُّہٗ بِاَفْوَاہِہَا کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْہِ اُوْلاَہَا رُدَّ عَلَیْہِ اُخْرَاہَا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرَی

سَبِيْلَہٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ)) قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ ؟ قَالَ ((وَلاَ صَاحِبُ بَقَرٍ وَلاَ غَنَمٍ لاَّ يُؤَدِّیْ مِنْہَا حَقَّہَا اِلاَّ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَۃِ بُطِحَ لَہَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لاَّ يَفْقِدُ مِنْہَا شَيْئًا لَيْسَ فِيْہَا عَقْصَاءُ وَلاَ جَلْحَاءُ وَلاَ عَضْبَاءُ تَنْطَحُہٗ بِقُرُوْنِہَا وَتَطَؤُہٗ بِاَظْلاَفِہَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْہِ اُوْلاَہَا رُدَّ عَلَيْہِ اُخْرَاہَا فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی يُقْضٰی بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرَی سَبِيْلَہٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ)) ۔رَوَاہُ مُسْلِمٌ[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"جو شخص سونے اور چاندی کا مالک ہو لیکن اس کا حق (یعنی زکاۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس (سونے اور چاندی) کی تختیاں بنائی جائیں گی۔ پھر ان کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ پھر ان سے اس (منکر زکاۃ) کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ پر داغ لگائے جائیں گے۔ جب کبھی (یہ تختیاں گرم کرنے کے لئے) آگ میں واپس لے جائی جائیں گی تو دوبارہ (عذاب دینے کے لئے) لوٹائی جائیں گی (اس سے یہ سلوک) سارا دن ہوتا رہے گا جس کا عرصہ پچاس ہزار سال (کے برابر) ہے۔ یہاں تک کہ انسانوں کے فیصلے ہو جائیں ۔ پھر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف دیکھے یا دوزخ کی طرف۔"عرض کیا گیا" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اونٹوں کا کیا معاملہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"جو شخص اونٹوں کا مالک ہو اور وہ ان کا حق (زکاۃ) ادا نہ کرے اور اس کے حق سے یہ بھی ہے کہ پانی پلانے کے دن کا دودھ دوھے (اور عرب کے رواج کے مطابق یہ دودھ مساکین کو پلا دے) وہ قیامت کے دن ایک ہموار میدان میں اوندھے منہ لٹایا جائے گا اور وہ اونٹ بہت فربہ اور موٹے ہو کر آئیں گے ان میں سے ایک بچہ بھی کم نہ ہو گا (یعنی سب کے سب) اس (منکر زکاۃ) کو اپنے کھروں، پاؤں سے روندیں گے۔ اور اپنے منہ سے کاٹیں گے۔ جب پہلا اونٹ (یہ سلوک کر کے) جائے گا تو دوسرا آ جائے گا (اس سے یہ سلوک) سارا دن ہوتا رہے گا جس کا عرصہ پچاس ہزار سال (کے برابر) ہے۔ حتی کہ لوگوں کا فیصلہ ہو جائے گا پھر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف دیکھے گا یا جہنم کی طرف۔"عرض کیا گیا' 'اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! گائے اور بکری کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟" فرمایا"کوئی گائے اور بکری والا ایسا نہیں جو ان کا حق (زکاۃ) ادا نہ کرے مگر جب قیامت کا دن ہو گا تو وہ اوندھا لٹایا جائے گا۔ ایک ہموار زمین پر، اور ان گائے اور بکریوں میں سے کوئی کم نہ ہو گی (سب کی سب آئیں گی) اور ان میں سے کوئی سینگ مڑی ہوئی نہ ہو گی نہ بغیر سینگوں کے اور نہ ٹوٹے ہوئے سینگوں والی۔ وہ اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گی۔ اور اپنے کھروں سے روندیں گی۔ جب پہلی گزر جائے گی تو پچھلی آ جائے گی (یعنی لگاتار آتی رہیں گی) دن بھر ایسا ہوتا رہے گا جس کی مدت پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف دیکھے یا دوزخ کی طرف۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: كُنْتُ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَمَرَّ أَبُو ذَرٍّ، وَهُوَ يَقُولُ:: «بَشِّرِ الْكَانِزِينَ، بِكَيٍّ فِي ظُهُورِهِمْ، يَخْرُجُ مِنْ جُنُوبِهِمْ، وَبِكَيٍّ مِنْ قِبَلِ أَقْفَائِهِمْ يَخْرُجُ مِنْ جِبَاهِهِمْ»، قَالَ: ثُمَّ تَنَحَّى فَقَعَدَ، قَالَ قُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قَالُوا: هَذَا أَبُو ذَرٍّ، قَالَ فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ: مَا شَيْءٌ سَمِعْتُكَ تَقُولُ قُبَيْلُ؟ قَالَ: مَا قُلْتُ إِلَّا شَيْئًا قَدْ سَمِعْتُهُ مِنْ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔رَوَاہُ مُسْلِمٌ[1]

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں قریش کے چند لوگوں میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابو ذرؓ آئے، اور کہنے لگے "خزانہ جمع کرنے والوں کو بشارت دو ایسے داغ کی جو ان کی پیٹھ پر لگائے جائیں گے اور ان کے پہلوؤں سے آر پار ہو جائیں گے۔ ان کی گدیوں (گردن) میں لگائے جائیں گے تو ان کی پیشانیوں سے پار ہو جائیں گے پھر ابو ذر رضی اللہ عنہ ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ تو میں نے (لوگوں سے) پوچھا"یہ کون ہیں؟" لوگوں نے بتایا"یہ ابو ذر رضی اللہ عنہ

ہیں۔" چنانچہ میں ان کی طرف گیا اور عرض کیا" یہ کیا تھا جو میں نے ابھی ابھی آپ سے سنا جو آپ نے فرمایا" حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا" میں نے وہی کہا ہے جو میں نے ان (مسلمانوں) کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر:13 زکاۃ نہ دینے والوں کا روپیہ پیسہ قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر ان کو ڈسے اور کاٹے گا۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ ((مَنْ آتَاہُ اللہُ مَالاً فَلَمْ یُؤَدَّ زَکَاتَہٗ مُثِّلَ لَہٗ مَالُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شُجَاعاً اَقْرَعَ لَہٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوِّقُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثُمَّ یَاخُذُ بِلِہْزِمَتَیْہِ یَعنْی بِشِدْقَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ تَلاَ { لاَ یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاہُمُ اللہُ مِنْ فَضْلِہٖ ہُوَ خَیْرًا لَّہُمْ بَلْ ہُوَ شَرٌّ لَّہُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ })) اَلْآیَۃ ۔رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکاۃ ادا نہ کی، تو قیامت کے دن اس کا مال ایسے گنجے سانپ کی شکل بن کر، جس کی آنکھوں پر دو نقطے (داغ) ہوں گے اس کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا" میں تیرا

[1]صحیح مسلم ، کتاب الزکاۃ باب فی الکانزین للاموال والتغلیظ علیہم [2] صحیح بخاری کتاب الزکاۃ باب اثم مانع الزکاۃ

مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی" جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور وہ بخیلی کرتے ہیں تو اپنے لئے یہ بخل بہتر نہ سمجھیں بلکہ ان کے حق میں برا ہے، عنقریب قیامت کے دن یہ بخیلی ان کے گلے کا طوق بننے والی ہے۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر:14 جس مال سے اللہ تعالی کا حق ادا نہ کیا جائے وہ مال تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ یَقُوْلُ " إِنَّ ثَلاَثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ: أَبْرَصَ وَأَقْرَعَ وَأَعْمَى، بَدَا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا، فَأَتَى الأَبْرَصَ، فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: لَوْنٌ حَسَنٌ، وَجِلْدٌ حَسَنٌ، قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ، قَالَ: فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ، فَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا، وَجِلْدًا حَسَنًا، فَقَالَ: أَيُّ المَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الإِبِلُ، - أَوْ قَالَ: البَقَرُ، هُوَ شَكَّ فِي ذَلِكَ: إِنَّ الأَبْرَصَ، وَالأَقْرَعَ، قَالَ أَحَدُهُمَا الإِبِلُ، وَقَالَ الآخَرُ: البَقَرُ -، فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ، فَقَالَ: يُبَارَكُ لَكَ فِيهَا وَأَتَى الأَقْرَعَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ شَعَرٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي هَذَا، قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ، قَالَ: فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ وَأُعْطِيَ شَعَرًا حَسَنًا، قَالَ: فَأَيُّ المَالِ أَحَبُّ

إِلَيْكَ؟ قَالَ: البَقَرُ، قَالَ: فَأَعْطَاهُ بَقَرَةً حَامِلًا، وَقَالَ: يُبَارَكُ لَكَ فِيهَا، وَأَتَى الأَعْمَى فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: يَرُدُّ اللَّهُ إِلَيَّ بَصَرِي، فَأُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ، قَالَ: فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ، قَالَ: فَأَيُّ المَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ الغَنَمُ: فَأَعْطَاهُ شَاةً وَالِدًا، فَأُنْتِجَ هَذَانِ وَوَلَّدَ هَذَا، فَكَانَ لِهَذَا وَادٍ مِنْ إِبِلٍ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنْ بَقَرٍ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنْ غَنَمٍ، ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِينٌ، تَقَطَّعَتْ بِيَ الحِبَالُ فِي سَفَرِي، فَلاَ بَلاَغَ اليَوْمَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الحَسَنَ، وَالجِلْدَ الحَسَنَ، وَالمَالَ، بَعِيرًا أَتَبَلَّغُ عَلَيْهِ فِي سَفَرِي، فَقَالَ لَهُ: إِنَّ الحُقُوقَ كَثِيرَةٌ، فَقَالَ لَهُ: كَأَنِّي أَعْرِفُكَ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ، فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ اللَّهُ؟ فَقَالَ: لَقَدْ وَرِثْتُ لِكَابِرٍ عَنْ كَابِرٍ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللَّهُ إِلَى مَا كُنْتَ، وَأَتَى الأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ، فَقَالَ لَهُ: مِثْلَ مَا قَالَ لِهَذَا، فَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلَيْهِ هَذَا، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللَّهُ إِلَى مَا كُنْتَ، وَأَتَى الأَعْمَى فِي صُورَتِهِ، فَقَالَ: رَجُلٌ مِسْكِينٌ وَابْنُ سَبِيلٍ وَتَقَطَّعَتْ بِيَ الحِبَالُ فِي سَفَرِي، فَلاَ بَلاَغَ اليَوْمَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي، فَقَالَ: قَدْ كُنْتُ أَعْمَى فَرَدَّ اللَّهُ بَصَرِي، وَفَقِيرًا فَقَدْ أَغْنَانِي، فَخُذْ مَا شِئْتَ، فَوَاللَّهِ لاَ أَجْهَدُكَ اليَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لِلَّهِ، فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ، فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ، فَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْكَ، وَسَخِطَ عَلَى صَاحِبَيْكَ " ـرَوَاهُ الْبُخَارِیُّ[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے ایک کوڑھی دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمانے کا ارادہ فرمایا ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ کوڑھی کے پاس آیا اور کہا "تجھے کون سی چیز بہت پیاری ہے؟" اس نے کہا "اچھا رنگ اور اچھا بدن اور وہ چیز مجھ سے دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فرشتے نے اس (کے جسم) پر ہاتھ پھیرا، پس اس سے اس کی گندگی دور ہو گئی، اور اچھا رنگ اور اچھا بدن دے دیا گیا۔" پھر فرشتے نے کوڑھی سے پوچھا "تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟" اس نے کہا "اونٹ" یا کہا "گائے" راوی (اسحاق) کو شک ہے ہاں کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا اور دوسرے نے گائے کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسے ایک حاملہ اونٹنی دے دی گئی اور کہا اللہ تجھے اس میں برکت دے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور کہا تجھے سب سے زیادہ کون سی چیز پسند ہے؟" اس نے کہا "خوب صورت بال، اور وہ چیز مجھ سے دور ہو جائے جس سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا اس کا گنجا پن جاتا رہا اور خوب صورت بال اسے دے دیے گئے۔" فرشتے نے پوچھا "تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟" اس نے کہا "گائے" پس ایک حاملہ گائے اسے دے دی گئی اور فرشتے نے کہا' اللہ تجھے اس میں برکت دے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور کہا تجھے سب سے زیادہ پیاری چیز کون سی ہے؟" اس نے کہا "اللہ مجھے بینائی دے دے تا کہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس کر دی۔ فرشتے نے کہا "تجھے سب سے زیادہ مال کون سا پسند ہے؟" اس نے کہا "بکریاں" اسے ایک حاملہ بکری دے دی گئی۔ پس بچے لئے کوڑھی اور گنجے نے اونٹ اور گائے کے اور اندھے نے بکری کے۔ جس سے کوڑھی کے لئے ایک جنگل اونٹوں سے بھر گیا گنجے

[1]صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل

کے لئے ایک جنگل گائے سے بھر گیا اور اندھے کے لئے ایک جنگل بکریوں سے بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پھر (کچھ عرصہ بعد) فرشتہ کوڑھی کے پاس اس کی پہلی صورت اور شکل میں آیا۔" اور آکر کہا ' غریب آدمی ہوں سفر میں میرا مال و اسباب جاتا رہا، اب میرا آج کے دن (اپنی منزل پر) پہنچنا اللہ کی مہربانی اور تیرے سبب سے ہے۔ میں تجھ سے اسی ذات کے واسطہ سے مانگتا ہوں، جس نے تجھے اچھا رنگ جسم اور مال دیا ہے ایک اونٹ چاہتا ہوں، جس کے ذریعے اپنی منزل پر پہنچ سکوں۔" اس نے کہا" حقدار بہت ہیں (یعنی خرچ زیادہ ہے مال کم ہے) فرشتے نے کہا" میں تجھے پہچانتا ہوں کیا تو کوڑھی نہ تھا کہ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو غریب تھا اللہ تعالیٰ نے تجھے صحت اور مال دیا۔" اس نے کہا" مجھے تو یہ مال و دولت باپ دادا سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتے نے کہا" تو جھوٹا ہے، اللہ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا کہ تو تھا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اسے وہی کہا، جو کوڑھی سے کہا تھا، گنجے نے وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا۔" فرشتے نے کہا" اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو تھا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس اس کی (سابقہ) صورت میں آیا اور کہا' غریب مسافر ہوں۔ سفر میں میرا مال و اسباب جاتا رہا۔ آج میں (اپنی منزل پر) نہیں پہنچ سکتا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور تیرے سبب سے تجھ سے اسی ذات کے واسطہ سے مانگتا ہوں جس نے تجھے بینائی دی۔ ایک بکری (چاہتا ہوں) کہ اس کے باعث اپنی منزل پر پہنچ سکوں۔" اندھے نے کہا" بے شک میں اندھا تھا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بینائی دی، پس تو جو چاہے لے لے، اور جو چاہے چھوڑ دے۔ اللہ کی قسم! آج کے دن میں تیرا ہاتھ نہ پکڑوں گا۔ اس چیز سے جسے تو اللہ کے لئے لینا چاہے۔" فرشتے نے کہا" اپنا مال اپنے پاس رکھ۔ حقیقت یہ ہے کہ تم (تینوں) کو آزمایا گیا۔ پس تجھ سے اللہ راضی ہوا۔ اور تیرے دونوں ساتھیوں پر غصہ کیا گیا۔" اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر:15 زکاۃ نہ دینے والا دوزخی ہے۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ((مَانِعُ الزَّكَاةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِىْ النَّارِ))۔رَوَاهُ الطِّبْرَانِىُّ[1] (حسن)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" زکاۃ نہ دینے والا قیامت کے دن آگ میں ہو گا۔" اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر:16 زکاۃ ادا نہ کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

عَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ((مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ اِلاَّ ابْتَلَاَہُمُ اللهُ بِالسِّنِيْنَ)) رَوَاهُ الطِّبْرَانِىُّ[1] (حسن)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"زکاۃ ادا نہ کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔" اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر:17 زکاۃ ادا نہ کرنے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَہٖ وَشَاہِدَہٗ وَكَاتِبَہٗ وَالْوَاشِمَۃِ وَالْمُسْتَوْشِمَۃِ وَمَانِعَ الصَّدَقَۃِ وَالْمُحِلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ ۔رَوَاهُ الْاَصْبَہَانِيُّ[2] (حسن)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے، کھلانے، گواہی دینے اور کتابت کرنے والے سب لوگوں پر لعنت فرمائی۔ نیز بال گوندھنے، گندوانے والی پر، زکاۃ ادا نہ کرنے والے پر، حلالہ نکالنے اور نکلوانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔" اسے اصبہانی نے روایت کیا ہے۔

[1]صحیح الترغیب والترہیب الجزء الاول رقم الحدیث 761 [2] صحیح الترغیب والترہیب الجزء الاول رقم الحدیث 756

2. جانوروں کا نصاب اور اس میں زکاۃ کی تفصیل

اموال زکاۃ کی دوسری قسم میں وہ جانور ہیں جو باہر چرنے والے (سائمہ) ہیں، یعنی ان جانوروں کی زکاۃ کے لیے مقررہ نصاب اور حولانِ حول (سال گزرنے) کے علاوہ، تیسری شرط یہ ہے کہ یہ سارا سال یا سال کا بیشتر حصہ باہر جنگلوں میں خود رو گھاس چر کر گزارہ کرنے والے ہوں۔ اگر ان جانوروں کو سارا سال یا سال کا بیشتر حصہ مالک خود اپنی گرہ سے چارہ خرید کر کھلائے گا، تو ان میں زکاۃ عائد نہیں ہو گی۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ جانور غیر عاملہ ہوں، یعنی ان سے ہل یا رہٹ چلوانے کا یا کسی اور قسم کا کام نہ لیا جاتا ہو۔ کیونکہ عامل جانوروں کی حیثیت، آلات اور مشینری کی سی ہے جو زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ جن جانوروں کی زکاۃ لینے کا حکم احادیث میں ہے، وہ تین قسم کے ہیں:

1. اونٹ
2. شاۃ۔ جس میں بھیڑ، بکری، بکرے چھترے دنبے سب شامل ہیں۔
3. گائے (بھینس اس میں شامل ہے۔) ان کی زکاۃ حسب ذیل طریقے سے ادا کی جائے گی۔

1. اونٹ

جب کسی کے پاس پانچ اونٹ سے کم ہوں تو ان پر زکاۃ نہیں، البتہ پانچ اونٹ یا اس سے زیادہ ہوں تو پھر ان کی تعداد کے اعتبار سے ضابطۂ زکاۃ یوں ہو گا:

☆5 سے 24 اونٹوں تک، ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، یعنی 5 سے 9 تک ایک بکری، پھر 10 سے 14 تک دو بکریاں، پھر 15 سے 19 تک تین بکریاں اور 20 سے 24 تک چار بکریاں لازم ہوں گی۔

☆25 سے 35 تک، ایک سال کی اونٹنی (بنت مخاض)

☆36 سے 45 تک دو سال کی اونٹنی (بنت لبون)

☆46 سے 60 تک، تین سال کی اونٹنی (حقہ)

☆61 سے 75 تک، چار سال کی اونٹنی (جذعہ)

☆76 سے 90 تک، دو دو سال کی دو اونٹنیاں (دو بنت لبون)

☆91 سے 120 تک، تین تین سال کی دو اونٹنیاں (دو حقے)

☆120 سے زیادہ تعداد پر، ہر چالیس اونٹوں پر دو سال کی اونٹنی (بنت لبون) اور ہر پچاس پر تین سال کی اونٹنی (حقہ) دینی ہو گی۔[1]

نیز جس شخص کے پاس اس عمر کے جانور سے چھوٹا اونٹ ہو جو اس پر بطور زکاۃ لازم آتا ہے، تو اس کے ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم دے گا اور اگر اس کے پاس بڑا ہو تو وہ زکاۃ لینے والے اہل کار سے دو بکریاں یا بیس درہم وصول کرنے کا حقدار ہو گا۔[2]

[1]صحيح البخاري، باب العرض في الزكاة، حديث: 1454,1453,1448وغيرہما۔ [2] صحيح البخاري، باب العرض في الزكاة، حديث: 1454,1453,1448و غيرہما ۔

2. بکریاں

بکریوں اور بھیڑ دنبوں میں زکاۃ حسب ذیل ضابطے سے ادا کی جائے گی:

☆40 بکریوں سے 120 تک: ایک بکری ۔

☆121 سے 200 تک: دو بکریاں۔

☆201 سے 300 تک: تین بکریاں۔

☆300 سے اوپر ہر 100 کے بعد: ایک بکری۔[1]

ملحوظہ: اگر بکریاں اور بھیڑ، دُنبے مل کر بھی تعدادِ نصاب کو پہنچ جائیں گے تو مذکورہ حساب کے مطابق زکاۃ کی ادائیگی ضروری ہو گی، کیونکہ جنس کے اعتبار سے یہ سب ایک ہی ہیں۔

3. گائے

گائے، بیل اور بھینس میں حسب ذیل ضابطے کے مطابق زکاۃ نکالنی ہو گی: تیس سے کم گائے، بیل میں زکاۃ نہیں۔

☆30 گائے پر، ایک بچھڑا یا بچھڑی (ایک سالہ) 39 گایوں تک شرح زکاۃ یہی ہو گی۔

☆40 پر ایک مُسِنَّہ، (یعنی دوندا (دو سالہ)، نر یا مادہ، جس کے دودھ کے دانت گر چکے ہوں اور نئے دانت نکل آئے ہوں۔) اس سے زیادہ، ہر تیس گائے پر ایک بچھڑا (ایک سالہ) اور ہر چالیس پر ایک

[1]صحيح البخاري، باب العرض في الزكاة، حديث: 1454,1453,1448و غيرہما۔

مُسِنَّہ۔ اس حساب سے چالیس سے زائد گایوں پر زکاۃ عائد نہیں ہو گی، تا آنکہ ان کی تعداد ستر ہو جائے۔ 70 گایوں پر مذکورہ حساب سے ایک بچھڑا اور ایک مسنہ زکاۃ عائد ہو گی اور 80 گایوں پر دو مسنے۔ وعلی ہذا القیاس۔[1]

اس میں بھی گائے اور بھینس مل کر نصاب کو پہنچ جائیں گے، تو زکاۃ لازم ہو گی، کیونکہ یہ دونوں بھی جنس کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔

3. گھوڑے

گھوڑوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح طور پر کچھ منقول نہیں ہے۔ بعض روایات میں گھوڑوں کا حق ادا کرنے کا جو ذکر ہے تو اس سے مراد انہیں جہاد کے لیے استعمال کرنا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ غلام اور گھوڑے پر زکاۃ نہیں۔[2]

تو اس سے مراد بھی وہ گھوڑے ہیں جو جہاد میں کام آتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گھوڑوں کا یہی سب سے بڑا مصرف اور مقصد تھا، اس لیے آپ نے انہیں زکاۃ سے مستثنیٰ فرمادیا۔ علاوہ ازیں یہ زیادہ تعداد میں بھی نہیں ہوتے، اس لیے بھی ان کا نصاب اور ان میں زکاۃ کی شرح کا تعین نہیں کیا گیا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بابت صراحت ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کی خواہش پر گھوڑوں میں زکاۃ لی۔ بنابریں اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کہیں گھوڑے بھی تجارت کے لیے پالے جاتے ہوں اور وہ معلوفہ نہ ہوں، یعنی ان کی خوراک کا انتظام مالک کی طرف سے نہ ہو، بلکہ

[1]الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البہیۃ،ج: 1، ص: 467، طبع جدید۔ [2] صحیح البخاري، الزکاۃ، باب لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ، حدیث: 1464-

وہ سائمہ ہوں یعنی وہ دوسرے سائمہ جانوروں کی طرح از خود چل پھر کر جنگلوں سے خوراک کھاتے ہوں، تو پھر ان سے بھی زکاۃ وصول کی جائے گی اور ان کا نصاب حالات کے مطابق مقرر کیا جائے گا۔ یہی حکم گدھوں، خچروں وغیرہ کا ہے، جب تک یہ باربرداری کے لیے ہیں، زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن اگر ان کو تجارت کے لیے پالا جائے گا، تو پھر ان میں بھی زکاۃ ہو گی، بشرطیکہ سائمہ ہوں، معلوفہ نہ ہوں۔

متفرقات

☆زکاۃ میں بوڑھا، بھینگا، عیب دار اور سانڈ جانور نہیں لیا جائے گا۔[1]

☆اسی طرح عمر میں چھوٹا، بانجھ، حاملہ جانور اور گھر میں دودھ کے لیے پالی ہوئی گائے بھینس نہ لی جائے۔(الدراری)

☆نصاب سے کم مقدار اور کم تعداد پر زکاۃ عائد نہیں ہو گی۔ ☆جو جانور کاروبار میں استعمال ہوتے ہوں، ان پر زکاۃ نہیں۔(سنن دار قطنی)

☆چنانچہ ڈیری فارم کے مویشیوں پر زکاۃ عائد نہیں ہو گی، البتہ ان کی آمدنی پر زکاۃ ہو گی۔

☆اسی طرح پولٹری فارم کی مرغیوں اور انڈوں پر بھی زکاۃ نہ ہو گی، البتہ ان کی آمدنی پر زکاۃ ہو گی۔

کوئی جبر یا حیلہ نہ کیا جائے

جانوروں کی زکاۃ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم ہدایت یہ بھی ہے:

((وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَ لَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ))

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب: 39، حديث: 1455۔

"اور متفرق (الگ الگ) جانوروں کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھے جانوروں کو الگ الگ نہ کیا جائے، زکاۃ کے ڈر سے۔"[1]

اس کا مطلب امام مالک نے یہ بیان کیا ہے: "مثال کے طور پر تین آدمی ہیں، تینوں کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہیں، یہ تینوں اپنی اپنی بکریوں کو اکٹھا کر دیں (جبکہ حقیقت میں وہ الگ الگ ہیں) تاکہ زکاۃ میں ایک ہی بکری دینی پڑے۔ الگ الگ ہونے کی صورت میں ہر ایک کو ایک ایک بکری دینی پڑتی (اس حیلے سے دو بکریوں کی بچت ہو گئی) اسی طرح دو خلیط ہوں ان کی دو سو بکریاں ہوں، اس تعداد میں تین بکریاں زکاۃ میں دینی پڑتی ہیں، چنانچہ وہ دونوں اپنی اکٹھی بکریوں کو الگ الگ کر لیں، تاکہ ہر ایک کو صرف ایک ایک بکری دینی پڑے، اس صورت میں ایک بکری کی بچت ہو جائے گی۔"[2]

خلیط اور شریک کا مطلب

اس میں خلیط کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ دو آدمی یا دو سے زیادہ اپنی آسانی اور اخراجات کی بچت کے لیے اپنے جانوروں کے لیے ایک ہی باڑہ، ایک ہی چراگاہ، ایک ہی نر ایک ہی حوض اور ایک ہی چرواہا رکھیں اور اپنے اپنے جانوروں کی انہیں پہچان بھی ہو۔ اس کے ہم معنی ایک اور لفظ "شریک" ہے۔ جو ایک کاروبار میں شریک ساتھی کے لیے بولا جاتا ہے، دو ہوں تو شَرِیکَیْنِ زیادہ ہوں تو شُرَکَاء اسی طرح خلیط دو ہوں تو خَلِیْطَیْن، زیادہ ہوں تو خُلَطَائ کہا جاتا ہے۔ شریکوں کا مال

[1]صحيح البخاري، الزكاة باب لا يجمع بين مفترق ولا يفرق بين مجتمع، حديث: 1450- [2] فتح الباري، باب مذكور: 3/396۔

مشترکہ ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے متمیز (الگ الگ پہچان کا حامل) نہیں ہوتا، ان میں سرمائے کا اشتراک ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے ان کے مابین نفع نقصان کا تعین ہوتا ہے۔ ان کا حکم تو واضح ہے کہ ان کے جانور فردِ واحد کے حکم میں ہوں گے، زکاۃ کے خوف سے ان کو الگ الگ یا الگ الگ کو اکٹھا کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن خَلِیْطَیْن یا خُلَطَاء کا معاملہ شَرِیْکَیْن یا شُرَکَاء سے مختلف ہے، ان کے مابین سرمائے کا اشتراک ہوتا ہے نہ نفع کا، صرف اپنی سہولت اور بچت کے لیے وہ مل کر، الگ الگ باڑوں کی بجائے، ایک ہی باڑہ بنا لیتے ہیں جہاں دونوں یا سب کے جانور رات گزار لیتے ہیں۔ الگ الگ چرواہے کی بجائے، ایک ہی چرواہا رکھ لیتے ہیں جو ان سب کو ایک ہی جگہ چرانے کے لیے لے جاتا اور واپس لے آتا ہے، نسل کشی کے لیے سب، نر بھی ایک رکھ لیتے ہیں جس سے ان کا گزارہ ہو جاتا ہے، جبکہ عمروں یا قد و قامت یا رنگوں کے اعتبار سے سب جانوروں کی الگ الگ پہچان ہوتی ہے۔ اس میں ظاہر بات ہے کہ ان کے اخراجات میں کافی بچت ہو جاتی ہے۔ مذکورہ حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زکاۃ میں ان دو خلیطوں یا زیادہ خلیطوں کے مال کو شریکوں کی طرح، ایک ہی مال متصور کر کے زکاۃ وصول کی جائے گی۔ اس میں خلیطوں کو فائدہ ہو یا نقصان، وہ اس مخلوط مال کو محض زکاۃ دینے کے وقت الگ الگ کریں نہ الگ الگ مال کو اکٹھا کریں۔ بلکہ سب کے مجموعی مال میں جتنی زکاۃ عائد ہوتی ہے، وہ ادا کریں۔ اور اس کے بعد

پھر اس زکاۃ کو آپس میں اپنے مویشیوں کے حساب سے تقسیم کرلیں۔ جیسے دو خلیطوں کے مویشی مخلوط ہیں، دونوں کی 20، 20 بکریاں ہیں۔ علیحدہ علیحدہ ہونے کی صورت میں تو ان میں کسی پر زکاۃ عائد نہیں ہوگی، لیکن دونوں کی بکریاں مل کر چونکہ نصاب کو پہنچ جاتی ہیں، اس لیے ایک بکری زکاۃ میں دینی پڑے گی۔ اب جس کے مال میں سے ایک بکری بطور زکاۃ کے جائے گی، وہ اپنے خلیط سے بکری کی آدھی قیمت وصول کرلے گا۔ اسی طرح خلطاء کو بعض دفعہ فائدہ ہو سکتا ہے، مثلاً: تین خلیط ہوں، ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہوں، یوں 120 بکریاں مخلوط ہوں، تو سال گزرنے کے بعد ان میں صرف ایک بکری بطور زکاۃ کے جائے گی۔ دو بکریوں کی بچت ہو جائے گی، جس کے مال میں سے بکری جائے گی، وہ اپنے دو خلیطوں سے اپنی بکری کی دو تہائی 2/3 قیمت وصول کرلے گا۔ دو خلیط ہوں، ایک کی 40 اور دوسرے کی 20 بکریاں ہوں، 60 بکریوں میں ایک بکری بطور زکاۃ کے جائے گی، اب اگر وہ بکری 20 بکریوں کے مالک کی ہوگی تو وہ اپنے ساتھی سے بکری کی دو تہائی 2/3 اور اگر وہ چالیس والے کی ہوگی، تو وہ اپنے ساتھی سے بکری کی ایک تہائی 1/3 قیمت وصول کرے گا۔ اس صورت میں ایک خلیط کو کچھ فائدہ اور دوسرے کو کچھ نقصان ہوگا۔ یہ اصول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے۔

((وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بَالسَّوِيَّةِ))

"اور جو دو خلیطوں کے مال سے ہو، تو وہ دونوں آپس میں برابری کے ساتھ ایک دوسرے سے رجوع کریں گے۔"[1]

یعنی زکاۃ کی ادائیگی کے بعد، فائدے اور نقصان سے قطع نظر، سارے خلطاء اپنی اپنی بکریوں کی تعداد کے حساب سے اس کی قیمت آپس میں تقسیم کرلیں گے۔ مذکورہ وضاحت کی روشنی میں جمع و تفریق کی یہ ممانعت ارباب اموال کے لیے ہے

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب لا يجمع بين مفترق...، حديث: 1451-

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو زیادہ واضح بھی کہا ہے: لٰكِنِ الَّذِيْ يَظْهَرُ أَنَّ حَمْلَهُ عَلَى الْمَالِكِ أَظْهَرُ، وَ اللّٰهُ أَعْلَمُ (فتح الباري: 3/396) تاہم امام شافعی نے کہا ہے کہ اپنے اپنے اعتبار سے اس کے مخاطب دونوں ہی ہیں صاحب مال بھی اور زکاۃ وصول کرنے والا بھی۔ ان میں سے ہر ایک کو یہ حکم ہے کہ وہ زکاۃ کے نقطۂ نظر سے جمع و تفریق نہ کرے، صاحب مال ایسا اس خوف سے نہ کرے کہ زکاۃ عائد نہ ہو اور زکاۃ وصول کرنے والا یہ سوچ کر ایسا نہ کرے کہ زکاۃ زیادہ وصول ہو۔ (حوالۂ مذکور) اس اعتبار سے عاملین زکاۃ (زکاۃ وصول کرنے والے سرکاری کارندوں) کو مالکوں پر ظلم و جبر کرنے سے روک دیا گیا ہے کہ وہ زکاۃ زیادہ بنانے کے لیے زبردستی متفرق جانورں کو اکٹھا، یا مجتمع جانوروں کو متفرق نہ کریں، بلکہ ارباب مال جس طرح وضاحت کریں، اسے تسلیم کرکے اس کے مطابق زکاۃ وصول کریں۔ اسی طرح ارباب اموال کو تاکید کردی کہ وہ بھی زکاۃ سے بچنے یا اس کو کم کرنے کے لیے حیلہ سازی سے کام نہ لیں اور اس غرض سے زکاۃ کے موقعے پر جمع و تفریق نہ کریں، بلکہ سارا سال مویشیوں کی جو صورت حال رہی ہے، اسے برقرار رکھیں اور اس میں تبدیلی نہ کریں۔

سال کے دوران میں ہونے والے بچوں کا حکم

اونٹ، گائے اور بکریاں، ان کے دوران سال میں ہونے والے بچے بھی سال کے اختتام پر زکاۃ دیتے وقت شمار کیے جائیں گے اور ان کی زکاۃ ادا کی جائے گی۔ اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اسی کے مطابق مذکورہ جانوروں کے بچوں کی بھی زکاۃ وصول کرنے.کا حکم دیا

[1] فقۃ السنۃ: 1/312-

اوقاص کا حکم

اوقاص، وَقص کی جمع ہے۔ دو نصابوں کی درمیانی تعداد کو وقص کہا جاتا ہے اس میں بالاتفاق زکاۃ معاف ہے جیسے اونٹوں کے نصاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اونٹ پچیس ہو جائیں، تو ان میں ایک بنت مخاض مادہ ہے اور وہ چھتیس ہو جائیں، تو 45 تک ان میں ایک بنت لبون مادہ ہے۔" یہ 25 سے لے کر 35 تک کی درمیانی تعداد وقص ہے جس میں زکاۃ نہیں۔ یہ تعداد 36 ہو گی تو پھر زکاۃ عائد ہو گی۔ گایوں کا نصاب بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: "جب گائیں 30 ہو جائیں، تو ان میں ایک (یک سالہ) بچھڑا یا بچھڑی اور چالیس پر ایک مسنہ، پھر ستر پر ایک بچھڑا اور ایک مسنہ اور 80 گایوں پر دو مسنے اور پھر اسی حساب سے ہر 30 پر ایک بچھڑا اور ہر چالیس پر ایک مسنہ۔"[1]

اس میں 31 سے 39 تک کی تعداد وقص ہے، اسی طرح 41 سے 69 تک وقص ہے جس میں زکاۃ نہیں۔ بکریوں کے نصاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا:

"چالیس بکریوں میں ایک بکری، پھر ایک سو بیس تک یہی شرح یعنی ایک بکری ہو گی۔ 121 سے دو سو تک دو بکریاں، 200 سے 300 تک تین بکریاں ۔" ان میں دو نصابوں کی درمیانی تعداد، وقص ہے جس میں زکاۃ نہیں۔ پہلے نصاب کے مطابق زکاۃ ہو گی، جب تک وہ دوسرے نصاب کی تعداد کو نہ پہنچ جائیں۔

[1]الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البہیۃ، طبع جدید: 1/467-

3. سونا، چاندی اور نقدی کا نصاب

اموالِ زکاۃ کی تیسری قسم سونا، چاندی اور نقدی ہے۔ ان کی بابت بھی پہلے احادیث میں گزر چکا ہے کہ جس کے پاس سونا چاندی ہو اور وہ اس کا حق (زکاۃ) ادا نہیں کرتا، تو قیامت کے دن انہیں چوڑی چوڑی سلاخوں یا تختوں میں تبدیل کر کے اور انہیں جہنم کی آگ میں گرم کر کے ان سے ان کے مالکوں کی پیشانیاں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا اور یہ عمل صرف ایک مرتبہ ہی نہیں ہو گا، بلکہ محشر کے پچاس ہزار سال کے برابر دن میں مسلسل یہ عمل جاری رہے گا، جب بھی یہ تختے اور سلاخیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، انہیں گرم کیا جاتا اور ان سے انہیں داغا جاتا رہے گا۔ (صحیح

مسلم) قرآن کریم میں بھی یہ وعید ان لوگوں کے لیے بیان ہوئی ہے جو سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔[1] اور ایک حدیث میں مطلق مال کا ذکر ہے کہ جسے اللہ مال سے نوازے، پھر وہ اس میں سے زکاۃ ادا نہ کرے، تو قیامت کے دن اس مال کو نہایت خطرناک زہریلے سانپ کی شکل میں بنا کر اس کے گلے کا طوق بنادیا جائے گا، جو اپنی باچھیں پکڑ کر کہے گا: میں تیرا مال اور تیرا خزانہ ہوں۔(یہ ساری احادیث پہلے گزر چکی ہیں) مطلق مال

[1]التوبۃ 9:34,35۔

میں سونے چاندی کے علاوہ، نقدی، سامان تجارت وغیرہ بھی آجاتے ہیں جو آج کل مال کی معروف صورت ہے، ان میں زکاۃ ضروری ہے۔ ان میں زکاۃ عائد ہونے کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں:

ایک یہ کہ اس کی ضروریات زندگی پوری ہونے کے بعد اس کے پاس اتنی رقم (یا سونا چاندی) بچ جائے کہ وہ نصاب کو پہنچ جائے۔ ضروریات سے مراد کھانا پینا، لباس، رہائش، علاج معالجہ اور صنعت و حرفت کے آلات (مشینری وغیرہ) ہیں۔

دوسری یہ کہ ان پر سال گزر جائے۔

ان کی ضروری تفصیل حسب ذیل ہے:

چاندی کا نصاب

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَإِذَا كَانَتْ لَکَ مِائَتَا دِرْہَمٍ وَّحَالَ عَلَیْہَا الْحَوْلُ، فَفِیہَا خَمْسَۃُ دَرَاہِمَ))

"جب تیرے پاس دو سو درہم ہو جائیں اور ان پر سال بھی گزر جائے، تو ان میں پانچ درہم زکاۃ ہے۔"[1]

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَیْسَ فِیمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَۃٌ، وَ لَیْسَ فِیمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَۃٌ، وَ لَیْسَ فِیمَا دُونَ خَمْسِ أَوْسُقٍ صَدَقَۃٌ))

[1]سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1573۔

"پانچ اوقیے سے کم میں زکاۃ نہیں۔ پانچ اونٹوں سے کم میں زکاۃ نہیں اور پانچ وسق (تین سو صاع) سے کم میں زکاۃ نہیں۔"[1] صحیح بخاری کی حدیث میں اوقیے کا لفظ استعمال ہوا ہے، اوقیہ وزن کا ایک معیار ہے اور یہ چاندی کا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا، یوں پانچ اوقیے، دو سو درہم ہو گئے۔ ان

دونوں حدیثوں سے چاندی کا نصاب دو سو درہم ثابت ہوا، جس کا وزن ساڑھے باون تولہ ہوا۔ آج کل کے حساب سے 612 گرام 360 ملی گرام۔ اس میں زکاۃ چالیسواں حصہ (ڈھائی فیصد) ہے، یعنی دو سو درہم میں پانچ درہم۔ آج کل کے حساب سے 15 گرام 305 ملی گرام، (اگر چاندی ہی زکاۃ میں دینی ہو۔) لیکن اگر زکاۃ چاندی کی بجائے نقدی میں دینی ہو، تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی جتنی رقم بنتی ہو، (مثلاً اتنی چاندی 35 ہزار روپے میں آتی ہو تو) ڈھائی فی صد کے حساب سے 35 ہزار میں آٹھ سو پچھتر روپے زکاۃ بنے گی۔ یہ کم از کم نصاب ہے یعنی اس سے کم میں زکاۃ عائد نہیں ہو گی۔ اس سے زیادہ جتنی چاندی ہو گی مذکورہ حساب سے اس کی رقم بنا کر زکاۃ ادا کی جائے۔

سونے کا نصاب

سونے کے نصاب کے لیے ایک تو درج ذیل حدیث کے عموم سے استدلال کیا جاتا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((مَا مِنْ صَاحِبِ ذَہَبٍ وَلَا فِضَّۃٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْہَا حَقَّہَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ صُفِّحَتْ لَہُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِیَ عَلَیْہَا فِیْ نَارِ جَہَنَّمَ...))

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب ما أدي زكاته فليس بكنز، حديث: 1405-

"سونے اور چاندی کا وہ مالک جو اس کا حق یعنی زکاۃ ادا نہیں کرتا، قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ان (سونے چاندی) کو چوڑے تختوں کی صورت میں ڈھال کر جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے اس کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پشت کو داغا جائے گا...۔"[1] اس حدیث کے عموم کا تقاضا ہے کہ سونے چاندی میں سے بھی زکاۃ ادا کی جائے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے ہاتھ میں دو کنگن دیکھے تو فرمایا: "کیا تو اس کی زکاۃ دیتی ہے؟" اس نے جواب دیا "نہیں" تو آپ نے فرمایا: "کیا تجھے یہ پسند ہے کہ ان کے بدلے تجھے جہنم کی آگ کے کنگن پہنائے جائیں؟"[2]

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث میں سونے کے نصاب کا بھی بیان ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَلَیْسَ عَلَیْکَ شَیْئٌ یَعْنِي فِي الذَّہَبِ، حَتّٰی تَکُونَ لَکَ عِشْرُونَ دِیْنَارًا، فَإِذَا کَانَتْ لَکَ عِشْرُونَ دِیْنَارًا وَّحَالَ عَلَیْہَا الْحَوْلُ فَفِیْہَا نِصْفُ دِیْنَارٍ، فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِکَ))

[1]صحيح مسلم، الزكاة، باب اثم مانع الزكاة،حديث: 987- [2] سنن أبي داود، الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلي، حديث: 1563-

جب وہ 20 دینار ہو جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو ان میں نصف دینار زکاۃ ہے، پس جو اس سے زیادہ ہو تو اسی حساب سے زکاۃ ہو گی۔"[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور دیگر محققین نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی ارواء الغلیل (3/289) میں بعض احادیث و آثار اور ان کے شواہد بیان کیے ہیں، جن سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سونے کے نصاب کے لیے مذکورہ حدیث صحیح بنیاد ہے۔

ایک دینار کا وزن ہے: 4.374 گرام 5 دینار کا وزن: 21.87 گرام 20 دینار کا وزن: 87.480 گرام یہ سونے کا نصاب ہے، چاہے ڈلی ہو یا زیورات کی شکل میں۔[2]

اس میں چالیسواں حصہ (ربع العشر) زکاۃ ہے، یعنی 20 دینار میں نصف دینار (تقریباً 2 ماشہ 2 رتی، یا دو گرام 187 ملی گرام) چالیس دینار میں ایک دینار۔ دوسرا طریقہ زکاۃ نکالنے کا یہ ہے کہ جب سونا ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ ہو تو زکاۃ دیتے وقت فی تولہ سونے کی قیمت معلوم کر لی جائے اور جتنی رقم بنے اس میں سے ڈھائی فیصد (فی ہزار، 25 روپے، فی لاکھ ڈھائی ہزار روپے) کے حساب سے زکاۃ ادا کر دے۔

جواہر میں زکاۃ نہیں

جواہر یعنی موتی، یاقوت، زمرد، الماس اور مرجان وغیرہ میں زکاۃ نہیں، جیسے لوہے،

[1]سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1573- [2] اللباب لصبحي حسن جلاق-

تانبا، پیتل اور سیسہ وغیرہ میں زکاۃ نہیں، البتہ ان کی تجارت سے جو مال حاصل ہو گا، اس میں شرائط کے مطابق زکاۃ ہو گی۔

نقدی کا نصاب

آج کل بالعموم لوگوں کے پاس سونا چاندی کی بجائے نقدی کی صورت میں رقم ہوتی ہے۔ اس صورت میں زکاۃ کس طریقے سے نکالی جائے؟ اس کے لیے علماء نے چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا ہے اور صدیوں سے علماء کے مابین نقدی کے لیے یہی نصاب تسلیم ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس اتنی نقد رقم ایک سال تک فاضل بچت کے طور پر محفوظ رہی ہے۔ جو 52/1/2 تولہ چاندی کی قیمت کے مساوی ہے، تو اس کو چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکاۃ نکالنی چاہیے۔ مثلاً آج کل (2010ء) کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم کم و بیش تقریباً 35 ہزار روپے بنتی ہے، اس لیے نقدی کا نصاب 35 ہزار روپے ہو گا۔ جس شخص کے پاس 35 ہزار روپے ایک سال فالتو پڑے رہے ہوں، اسے چاہیے کہ وہ اس کی زکاۃ ڈھائی فیصد کے حساب سے 25 روپے فی ہزار (35 ہزار کے 875 روپے) زکاۃ نکالے۔ اس سے زیادہ جتنی رقم ہو، وہ ڈھائی فیصد یا 25 روپے فی ہزار کے حساب سے نکالے۔ 35 ہزار سے کم رقم والے پر زکاۃ عائد نہ ہو گی۔

بعض علماء نے نقد رقم کی زکاۃ کے لیے سونے کے نصاب کو معیار قرار دیا ہے۔ اس حساب سے نقد رقم کا نصاب چاندی کے حساب سے 35 ہزار کی بجائے دولاکھ سے زیادہ ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت نصاب ہو گا۔ اس سے کم رقم پر زکاۃ عائد نہیں ہو گی۔ لیکن راجح یہی ہے کہ چاندی کے نصاب کو نقد رقم کے لیے معیار مقرر کیا جائے کہ اس میں فقراء ومساکین، مدارس اور دینی اداروں کا فائدہ زیادہ ہے۔

رکاز (دفینے) میں خمس (پانچواں حصہ) ہے

رکاز کے معنی چھپانے کے ہیں، انسان کو اہل جاہلیت (اہل کفر) کا کوئی چھپا ہوا خزانہ یعنی دفینہ مل جائے، تو جس وقت ملے، اسی وقت اس میں سے 5 فی صد زکاۃ نکال دے، اس میں زکاۃ کی مقدار اس لیے زیادہ ہے کہ یہ بغیر محنت کے حاصل ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَ فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ))

"رکاز (دفینے) میں پانچواں حصہ ہے۔"[1]

مَعَادِن (کانوں) کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں، اس لیے کانوں سے نکلنے والی چیزوں میں زکاۃ نہیں، البتہ اس کی آمدنی پر بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائے اور سال گزر جائے تو زکاۃ ہے۔

دو نصابوں کو ملا کر نصاب بنانا؟

اگر ایک شخص کے پاس سونا چاندی دونوں چیزیں ہوں لیکن دونوں نصاب سے کم ہوں، (یعنی سونا ساڑھے سات تولہ سے کم اور چاندی ساڑھے باون تولہ سے کم ہو) اس صورت میں اس پر زکاۃ عائد ہو گی یا نہیں؟ ایسے شخص کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خیال میں ایسے شخص کو دونوں چیزیں ملا کر اگر

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب في الركاز الخمس، حديث: 1499۔

نصاب کو پہنچ جائیں تو زکاۃ نکالنی چاہیے۔

زیور کی زکاۃ

سونا چاندی کے زیور کی زکاۃ میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ بعض علماء اس میں زکاۃ کی فرضیت کے قائل نہیں، جبکہ علماء اہلحدیث کی اکثریت زیور میں زکاۃ کی قائل ہے، دلائل کے اعتبار سے اور احتیاط کے لحاظ سے بھی یہی مسلک زیادہ صحیح ہے۔ زیور کی زکاۃ دونوں طریقوں سے نکالی جاسکتی ہے۔ زیور سے

چالیسواں حصہ سونا یا چاندی بطورِ زکاۃ نکال دیا جائے یا چالیسویں حصے کی قیمت ادا کر دی جائے، دونوں طرح جائز ہے۔ تاہم کسی کے پاس اگر حد نصاب (7 تولہ سونا یا چاندی 51 تولہ) سے کم زیور ہے، تو اس پر زکاۃ عائد نہیں ہو گی۔

ملحوظہ: اس کی مزید تفصیل خواتین سے متعلقہ مسائلِ زکاۃ میں ملاحظہ فرمائیں۔

زیور کی زکاۃ کے لیے نقد رقم نہ ہو تو؟

اگر کسی کے پاس اتنا زیور ہے کہ وہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ ہے لیکن اس عورت کے پاس حتی کہ اس کے خاوند کے پاس بھی نقد رقم نہیں ہے کہ وہ اس زیور کی زکاۃ ادا کر سکے، اس صورت میں کیا کیا جائے؟

زیور پر اگر سال گزر گیا ہے اور وہ نصاب یا اس سے بھی زیادہ ہے تو اس پر زکاۃ فرض ہے، نقد رقم نہیں ہے تو اس کا کچھ حصہ بیچ کر زکاۃ ادا کرے۔ نقد رقم کا نہ ہونا عدم ادائیگیٔ زکاۃ کا کوئی معقول عذر نہیں ہے۔

4. مالِ تجارت کی زکاۃ

اموالِ زکاۃ کی چوتھی قسم اموالِ تجارت ہیں، یعنی جو سامان بھی تجارت کے لیے ہو، اس میں سے زکاۃ نکالی جائے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلي الله عليه وسلم كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم ہر اس سامان میں سے زکاۃ نکالیں، جو تجارت کے لیے تیار کریں۔"[1]

یہ روایت سنداً ضعیف ہے، اس لیے بعض اہل علم نے سامان تجارت میں زکاۃ کے عائد ہونے کی نفی کی ہے، لیکن علماء کی اکثریت نے سامان تجارت کو اموال ہی میں شمار کر کے تجارتی سامان میں بھی زکاۃ کا اثبات کیا ہے اور یہی بات راجح ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "

ائمہ اربعہ اور ساری امت کا (سوائے چند شاذ لوگوں کے) اس بات پر اتفاق ہے کہ سامانِ تجارت میں زکاۃ واجب ہے... خواہ تاجر مقیم ہوں یا مسافر، ارزانی کے وقت سامان خرید کر نرخوں کے گراں ہونے کا انتظار کرنے والے

[1]سنن أبي داود، الزكاة باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها زكاة؟، حديث: 1562-

تاجر ہوں... تجارت کا مال نئے یا پرانے کپڑے ہوں، یا کھانے پینے کا سامان... ہر قسم کا غلہ، پھل فروٹ، سبزی، گوشت وغیرہ... مٹی چینی دھات وغیرہ کے برتن ہوں یا جاندار چیزیں غلام، گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ... گھر میں پلنے والی بکریاں ہوں یا جنگل میں چرنے والے ریوڑ، غرض تجارت کے ہر

قسم کے مال میں زکاۃ فرض ہے۔ علاوہ ازیں شہری اموالِ تجارت بیشتر اموالِ باطنہ ہیں، جبکہ (مویشی) جانوروں کی اکثریت اموالِ ظاہرہ ہیں۔"[1]
امام بخاری کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے مالِ تجارت میں اور پھلوں میں زکاۃ ہے، چنانچہ اپنی "صحیح" میں انہوں نے باب قائم کیا ہے:

((باب صدقة الكسب والتجارة))

"کمائی اور تجارت میں زکاۃ کا بیان"

اور اس عنوان کے لیے دلیل قرآن کریم کی اس آیت سے لی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾

"اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو اور اس سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا۔"[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "امام بخاری نے جو باب باندھا ہے، اس میں صرف آیتِ قرآنی سے استدلال کیا ہے اور کوئی حدیث پیش نہیں کی۔ یہ گویا انہوں نے ان آثار کی

[1]القواعد النورانية الفقهية، ص: 90,89، طبع مصر۔ [2] البقرة 267:2۔

طرف اشارہ کیا ہے جو امام مجاہد اور امام شعبہ سے مروی ہیں جن میں انہوں نے 'ما کسبتم' کی تفسیر تجارت سے اور 'مما اخرجنا لکم من الارض' کی تفسیر پھلوں سے کی ہے، یعنی غلہ، کھجور وغیرہ ہر پیداوار میں زکاۃ ہے۔"[1]

مالِ تجارت میں زکاۃ کی ادائیگی کا طریقہ

اموالِ تجارت میں زکاۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ سال بسال جتنا تجارتی مال دکان، مکان یا گودام وغیرہ میں ہو، اس کی قیمت کا اندازہ کر لیا جائے۔ علاوہ ازیں جتنی رقم گردش میں ہو اور جو رقم موجود ہو، اس کو بھی شمار کر لیا جائے۔ نقد رقم، کاروبار میں لگا ہوا، (یعنی زیر گردش) سرمایہ اور سامانِ تجارت کی تخمینی قیمت، سب ملا کر جتنی رقم ہو، اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکاۃ ادا کی جائے۔ تاہم کوئی تجارتی مال اس طرح کا ہے کہ وہ اکٹھا خریدا، پھر وہ سال یا دو سال فروخت نہیں ہوا، تو اس مال کی زکاۃ اس کے فروخت ہونے پر صرف ایک سال کی ادا کی جائے گی۔ ورنہ عام مال جو دکان میں فروخت ہوتا رہتا ہے اور نیا اسٹاک آتا رہتا ہے، وہاں چونکہ فرداً فرداً ایک ایک چیز کا حساب مشکل ہے، اس لیے سال بعد سارے مال کی بہ حیثیت مجموعی قیمت کا اندازہ کر کے زکاۃ نکالی جائے۔

منجمد یا ڈوبی ہوئی رقم کا حکم

اگر کوئی رقم کسی کاروبار میں منجمد ہوگئی ہو، جیسا کہ بعض دفعہ ایسا ہوجاتا ہے اور وہ رقم دو تین سال یا اس سے زیادہ دیر تک پھنسی رہتی ہے، یا کسی ایسی پارٹی کے ساتھ

[1]فتح الباري، الزكاة، باب مذكور، حديث: 1445سے قبل، ص: 388,387، طبع دار السلام۔

آپ کو سابقہ پیش آجاتا ہے کہ کئی سال آپ کو رقم وصول نہیں ہوتی تو ایسی ڈوبی ہوئی رقم کی زکاۃ سال بہ سال دینی ضروری نہیں۔ جب رقم وصول ہوجائے، اس وقت ایک سال کی زکاۃ ادا کر دی جائے، وہ جب بھی وصول ہو۔

مالِ مستفاد کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ عِنْدَ رَبِّهِ))

''جس کو مالِ مستفاد ملا تو اس میں زکاۃ نہیں، یہاں تک کہ اس میں اس کے مالک کے پاس سال گزر جائے۔''[1]

مالِ مستفاد کا مطلب، دوران سال میں حاصل ہونے والا مال ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

1. مالِ مستفاد اس کے پاس موجود مال کا نفع اور اسی کا ثمرہ ہو۔ جیسے تجارت کے ذریعے سے حاصل ہونے والا نفع، یا جانوروں سے دورانِ سال میں ہونے والے بچے۔ سال پورا ہونے پر یہ نفع اور جانوروں کے بچے بھی شامل ہوں گے، ان کا الگ حساب نہیں ہوگا۔ جیسے پہلے مثلاً اس نے 50 ہزار روپے کی زکاۃ دی تھی سال پورا ہونے تک اس کے پاس 50 کی بجائے 60 یا 70 ہزار روپے ہوگئے، اب اسے 60 یا 70 ہزار کی زکاۃ ادا کرنی ہوگی اسی طرح مثلاً اس نے پہلے ایک بکری زکاۃ میں دی تھی، کیونکہ اس کے پاس 120 یا اس سے کچھ زائد تھیں، آئندہ سال پورا ہونے تک بچے ملا

[1]جامع الترمذي، الزكاة، باب 10، حديث: 632، و انظر الإرواء: 258-3/254-

کر دو سو بکریاں ہوگئیں، تو اب اسے دو بکریاں زکاۃ کے طور پر دینی پڑیں گی۔ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

2. ملِ مستفاد اسی جنس سے ہو جس جنس کی اس نے پہلے زکاۃ ادا کی۔ لیکن دورانِ سال میں ملنے والا یہ مال اس مال کا نفع یا اس کے پاس موجود جانوروں سے تولد پذیر ہونے والا نہ ہو۔ بلکہ اس نے الگ سے یہ مال خریدا ہو، یا ورثے یا ہبے میں اسے ملا ہو۔ اس کی بابت بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اسے بھی پہلی صورت کی طرح پچھلے مال سے ملا دیں گے اور سال پورا ہونے پر سب کی زکاۃ نکالیں گے۔ لیکن یہ رائے صحیح نہیں۔ دوسری صورت کا یہ مال چونکہ پہلے مال کا نفع یا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کی الگ مستقل حیثیت ہے، اس لیے اس پر زکاۃ اس وقت عائد ہوگی جب اس پر الگ سال گزرے گا۔ مذکورہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

3. ملِ مستفاد، اس کے پاس موجود مال کی جنس سے نہ ہو۔ مثلاً اس کے پاس بکریاں تھیں، جن کی اس نے زکاۃ ادا کر دی تھی، اب 7,6 مہینے کے بعد اسے کچھ اونٹ یا گائیں مل گئیں۔ اگر ملنے والا یہ مال اتنی تعداد میں ہے کہ وہ زکاۃ کے نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی زکاۃ اس کا سال الگ پورا ہونے پر ادا کی جائے گی، پہلے مال کے ساتھ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان آخری دونوں صورتوں میں مذکورہ حدیث کا انطباق ہوتا ہے۔ یہاں دونوں صورتوں میں صاحب مال اپنی خوشی سے پہلے مال کے ساتھ ہی ان کی بھی زکاۃ ادا کر دیتا ہے، تو بات اور ہے، خوشی سے بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا مرغوب اور پسندیدہ ہی ہے۔ تاہم شرعًا وہ ایسا کرنے کا پابند نہیں ہے۔

باب: 3

مصافِ زکاۃ کا بیان

گزشتہ صفحات میں زکاۃ کے ضروری مسائل بیان ہوئے۔ اب ایک اہم مسئلہ مصافِ زکاۃ کا ہے، یعنی زکاۃ کے مستحق کون کون لوگ ہیں؟ یا زکاۃ کہاں کہاں خرچ ہو سکتی ہے؟ زکاۃ کے مصارف آٹھ ہیں۔ یہ آٹھ انواع یا مصارف کون کون سے ہیں؟ ذیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّـهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّـهِ ۗ وَاللَّـهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾

"زکاۃ کے مستحق صرف فقراء، مساکین، عاملینِ زکاۃ اور مؤلفۃ القلوب ہیں، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے میں، قرض داروں کی مدد کرنے میں، اللہ کی راہ میں اور مسافر نوازی میں خرچ ہو سکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔"[1]

[1] التوبة 9:60۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں کہ یہ آٹھ جگہیں ہیں جہاں مسلمان اپنی زکاۃ کی رقم خرچ کر سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ زکاۃ کی رقم تھوڑی تھوڑی کر کے آٹھوں جگہوں پر تقسیم کی جائے (جیسا کہ بعض ائمہ کا خیال ہے) بلکہ حسبِ ضرورت ان میں سے ہر ایک پر پوری رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ جمہور علمائے امت اسی موقف کے حامی ہیں۔ مختصراًان آٹھ مصارف کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1. فقراء

فقراء، فقیر کی جمع ہے۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہو، اپاہج یا معذور یا مستقل بیمار ہونے کی وجہ سے یا کثیر العیال ہونے اور آمدنی تھوڑی ہونے کی وجہ سے۔ چاہے اس کے پاس رہائش کے لیے اپنا گھر، سواری کے لیے کوئی جانور یا آج کل کے اعتبار سے سائیکل وغیرہ اور اسی طرح صنعتی اوزار و آلات اس کے پاس موجود ہوں لیکن اگر اس کی آمدنی اس کی اور اس کے بال بچوں کی کفایت نہ کرتی ہو، تو اسے زکاۃ دی جاسکتی ہے۔

2. مساکین

مساکین، مسکین کی جمع ہے، یہ بھی فقیر ہی کی طرح تنگدست، محتاج یا کثیر العیال ہو۔ تاہم اس کے متعلق اکثر علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو فقیر سے بھی زیادہ محتاج اور بے بس ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقیر کو تو لوگوں سے سوال کرنے اور در در جا کر بھیک مانگنے سے بھی گریز نہیں ہوتا۔ جبکہ مسکین میں غربت وناداری کے باوجود اپنی عزت نفس اور وقار کا احساس ہوتا ہے اور وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی، لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنا گوارا نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اپنی حالت بھی مسکین اور عاجزوں والی بنا کر نہیں رکھتا کہ لوگ اس کی حالت زار کو دیکھ کر از خود ہی اس کی امداد کر دیں۔ اس اعتبار سے اس میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جنہیں آج کل سفید پوش کہا جاتا ہے جو اپنی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھنے کے لیے تنگی ترشی کے ساتھ اپنا وقت پاس کر لیتے ہیں لیکن کسی سے اپنی تکلیف کا ذکر کرتے ہیں نہ ایسا بھیس ہی بناتے ہیں جو ان کی عسرت وناداری کا غماز ہو۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

((لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ، تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُومُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ))

"مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں (کے گھروں) کا طواف کرتا ہے اور لقمہ اور دو لقمے اور کھجور اور دو کھجوریں لے کر لوٹ جاتا ہے۔ لیکن مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جو اسے کفایت کر جائے (اور وہ اسے لوگوں سے بے نیاز کر دے) اور نہ ظاہری حالت سے وہ پہچانا جائے کہ صدقہ و خیرات سے اسے نوازا جائے اور نہ وہ خود کھڑا ہو کر لوگوں سے سوال کرے۔"[1]

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب: 53، حديث: 1479۔

متعفف (سوال سے گریزاں) علماء و طلبائے علوم دینیہ

قرآنِ کریم سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فقراء و مساکین میں وہ لوگ سر فہرست ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیں، اللہ کے دین کی خاطر اپنا گھر بار اور کاروبار ترک کر دیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کے سامنے دست طلب دراز نہ کریں۔ ایسے خود دار، اور متعفف (سوال نہ کرنے والے) ضرورت مند علماء و طلبائے علوم دینیہ کی امداد (آبرو مندانہ طریقے سے) بہت ضروری ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّـهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ﴾

"صدقہ ان ضرورت مندوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں روک دیے گئے ہیں، وہ زمین میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف ان کو مال دار گمان کرتا ہے، آپ ان کو ان کے چہرے کی علامات سے پہچان لیں گے، وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔"[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسکین کی تعریف میں اس آیت کا حوالہ دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

((إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ، اِقْرَؤا إِنْ شِئْتُمْ، يَعْنِيْ قَوْلَہُ تَعَالَى: ﴿ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ﴾

[1]البقرة 2:273-

"مسکین تو وہ ہے جو سوال کرنے سے بچتا ہے، اگر چاہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ لو۔" "وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔"[1]

مذکورہ بالا آیت وحدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو علماء و طلباء اپنے آپ کو علم دین کے سکھانے اور اس کی نشرواشاعت کے لیے وقف کر دیں او رکاروباری مصروفیتوں پر تعلیم و تعلّم کو ترجیح دیں، ان کی حاجات و ضروریات بھی زکاۃ کی مد سے پوری کی جاسکتی ہیں۔ اور ان کی علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے دینی و علمی کتابیں بھی اس فنڈ ہی سے خرید کر انہیں دی جاسکتی ہیں، چنانچہ زمانۂ حال کے ایک مصری فاضل علامہ یوسف القرضاوی نے بھی اپنی کتاب "فقہ الزکاۃ" میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

((فَإِذَا مَا تَفَرَّغَ لِطَلَبِ عِلْمٍ نَافِعٍ وَتَعَذَّرَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْكَسْبِ وَ طَلَبِ الْعِلْمِ فَإِنَّهُ يُعْطٰى مِنَ الزَّكَاةِ قَدْرَ مَا يُعِينُہُ عَلٰى أَدَاءِ مُهِمَّتِهِ وَ مَا يُشْبِعُ حَاجَاتِهِ وَ مِنْهَا كُتُبُ الْعِلْمِ الَّتِي لَا بُدَّ مِنْهَا لِمَصْلَحَةِ دِينِهِ وَ دُنْيَاهُ وَ إِنَّمَا أُعْطِيَ طَالِبُ الْعِلْمِ لِأَنَّهُ يَقُومُ بِفَرْضِ كِفَايَتِهِ وَلِأَنَّ فَائِدَةَ عِلْمِهِ لَيْسَتْ مَقْصُورَةً عَلَيْهِ بَلْ هِيَ لِمَجْمُوعِ الْأُمَّةِ، فَمِنْ حَقِّهِ أَنْ يُعَانَ مِنْ مَّالِ الزَّكَاةِ لِأَنَّهَا لِأَحَدِ رَجُلَيْنِ، إِمَّا لِمَنْ يَّحْتَاجُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَوْ لِمَنْ يَّحْتَاجُ إِلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ، وَ هٰذَا قَدْ جَمَعَ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ))

"اگر کوئی شخص علم نافع کی طلب میں لگا ہوا ہے اور حصولِ علم کے ساتھ وہ کسب

[1]صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4539-

حلال نہ کر سکتا ہو، تو اسے بقدر ضرورت زکاۃ دی جاسکتی ہے اور اس کے فریضۂ حصولِ علم کی تکمیل کے لیے کتابوں کے لیے بھی زکاۃ دی جاسکتی ہے، اس لیے کہ طلب علم دین فرض کفایہ ہے اور اس کے علم کا فائدہ خود اس تک محدود نہیں ہے، بلکہ تمام امت کے لیے ہے اور یہ اس کا حق بنتا ہے کہ ملِ زکاۃ میں سے اس کی مدد کی جائے، کیونکہ زکاۃ کے مصارف کے دو پہلو ہیں کہ یا تو مسلمانوں میں جو محتاج ہو اسے دی جائے یا جس سے مسلمانوں کی ضرورت وابستہ ہو اسے دی جائے اور یہاں دونوں باتیں جمع ہیں۔'' [1]

آگے چل کر فاضل مصنف علامہ یوسف القرضاوی علم نافع کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے تحریر کیا ہے کہ جو شخص اپنے تمام اوقات حصولِ علم میں لگائے ہو، اسے زکاۃ دی جائے گی۔ جبکہ جو شخص اپنے تمام اوقات عبادت میں لگادے تو اسے زکاۃ نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ اسلام میں عبادت کے لیے تمام اوقات لگانے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ حصولِ علم میں جملہ اوقات کھپانے کی حاجت ہے۔ نیز یہ کہ عابد کی عبادت اس کی ذات کے لیے ہوتی ہے اور عالم کے علم سے سب لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ فقہاء نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ تنگ دست طالب علم کو مد زکاۃ میں سے کتب علم لینا جائز ہے اور اس میں دین اور دنیا دونوں کی مصلحت ہے۔'' [2]

[1]اردو ترجمہ: فقہ الزکاۃ،ج: 2، ص: 32، طبع: دوم، 1984ء - [2] فقہ الزکاۃ، اردو: 2/44، بحوالہ المجموع: 6/190، الإنصاف في الفقہ الحنبلي: 3/218,165-

اسی نقطۂ نظر سے جس کی وضاحت ''فقہ الزکاۃ'' کے مصنف حفظہ اللہ نے کی ہے، نواب صدیق حسن خان نے بھی فی سبیل اللہ کے مفہوم میں علمائے دین کو شامل کیا ہے، چاہے وہ مال دار ہی ہوں اور کہا کہ ان پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ بہتر ہے، کیونکہ ان کے ذریعے ہی سے دین اسلام کا تحفظ اور شریعت کی بقا ممکن ہے۔ ان کے اصل الفاظ حسب ذیل ہیں:

((وَمِنْ جُمْلَةِ سَبِيْلِ اللهِ، الصَّرْفُ فِي الْعُلَمَاءِ الَّذِينَ يَقُومُونَ بِمَصَالِحِ الدِّينِيَّةِ، فَإِنَّ لَهُمْ فِي مَالِ اللهِ نَصِيبًا، سَوَاءً كَانُوا أَغْنِيَاءَ أَوْ فُقَرَاءَ، بَلِ الصَّرْفُ فِي هٰذِهِ الْجِهَةِ مِنْ أَهَمِّ الْأُمُورِ، لِأَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَ حَمَلَةُ الدِّيْنِ، وَ بِهِمْ تُحْفَظُ بَيْضَةُ الْإِسْلَامِ وَ شَرِيعَةُ سَيِّدِ الْأَنَامِ...))

3. عاملینِ زکاۃ: اس سے مراد وہ افراد ہیں جو ادارۂ خلافت یا کسی ادارۂ مسلمین کی طرف سے زکاۃ وصول کرنے، وصول شدہ کی حفاظت کرنے اور ان کا حساب کتاب لکھنے اور انہیں تقسیم کرنے پر مامور ہوں۔ ایسے لوگ چاہے صاحب حیثیت ہوں، زکاۃ کی رقم سے ان کو ان کے اس کام (وصولیٔ صدقات) کی اجرت دی جاسکتی ہے۔[1]

زکاۃ کی وصولی اور تقسیم کا کام اگر سرکاری طور پر ہو، تو اس نظام سے جہاں ایک طرف معاشرے سے غربت وناداری کے خاتمے کا کام نہایت مؤثر طریقے سے لیا جاسکتا ہے، وہاں دوسری طرف یہ کام نہایت وسیع پیمانے پر انتظامات کا بھی متقاضی ہے جس کے لیے دفاتر سے لے کر افراد تک کا انتظام کرنا ناگزیر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے

[1]الروضۃ الندیۃ: 1/501، بتحقیق محمد صبحي حسن حلاق، صنعاء، یمن۔

اسی وصول شدہ زکاۃ کی رقم سے وصولی اور تقسیم کے اخراجات وضع کرنے کی سہولت دے کر اس نظام کو قائم کرنے کے لیے بہت بڑی آسانی فراہم کر دی ہے۔ آج کل کی مسلمان حکومتیں ہی اس سہولت سے فائدہ نہ اٹھائیں، تو یہ کتنی حرماں نصیبی کی بات ہے۔ اکثر مسلمان مملکتوں میں غربت و ناداری اور گداگری کی لعنت عام ہے۔ اگر یہ مملکتیں صلاۃ وزکاۃ کے نظام کا اہتمام کریں، تو بیرونی ملکوں اور اداروں سے انہیں قرض لینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے جس نے ہماری آزادی وخود مختاری کو مشکوک بنادیا ہے۔ کیونکہ ان مملکتوں میں دو مسئلے سب سے زیادہ گھمبیر اور بہت زیادہ وسائل کے متقاضی ہیں۔ ایک غربت وناداری کا خاتمہ، دوسرے، ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہنے کے لیے (جیسا کہ قرآنی حکم،﴿ وَأَعِدُّوا لَهُم﴾ الآیۃ کا تقاضا ہے) آلاتِ حرب وضرب کی وسیع پیمانے پر تیاری اور فراہمی۔ اللہ تعالیٰ نے فقراء ومساکین کو زکاۃ کے مصارف میں شامل کر کے غربت وناداری کے خاتمے کے لیے ایک بہت بڑی بنیاد فراہم فرمادی ہے، جس سے کوئی مسلمان مملکت کام لینا چاہے تو اس ضمن میں بہت کچھ کر سکتی ہے۔ اسی طرح فی سبیل اللہ کو (جس سے جہاد اور اس کی ضروریات مراد ہیں) مصرفِ زکاۃ قرار دے کر اس بڑے خرچ کا بھی انتظام فرمادیا ہے (جیسا کہ فی سبیل اللہ کے بیان میں اس کی کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔)

4. مولفۃ القلوب اور اس کے اطلاقات

یہ زکاۃ کا چوتھا مصرف ہے۔ اس کا مطلب ہے، تالیف قلب (دل جوئی، دل داری) کے لیے کسی کو کچھ دینا۔

جیسے کوئی نہایت بااثر غیر مسلم شخص ہے، اگر اس کی تالیف قلب (دلجوئی) کا اہتمام کر دیا جائے تو یہ امید ہو کہ یہ شخص وہاں پر آباد مسلمانوں کی حفاظت کے لیے مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے، تو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے ایسے شخص کو زکاۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، چاہے وہ مال دار بھی ہو۔ اسی طرح وہ نو مسلم اور ضعیف الایمان افراد بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کی اگر دل جوئی اور مالی اعانت نہ کی جائے، تو ان کے اسلام سے منحرف ہو جانے کا خطرہ ہو۔ ہمارے ملک میں اس مدّ میں خرچ کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ بہت سے عیسائی مسلمان ہوتے ہیں، ان کے خاندان والے ان کا بائیکاٹ کر دیتے ہیں اور وہ شدید معاشی اور معاشرتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں جن سے گھبرا کر بعض دفعہ وہ دوبارہ عیسائیت کی طرف لوٹ جاتے ہیں یا گداگری کو اختیار کر لیتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ یہ دونوں ہی باتیں صحیح نہیں ہیں۔ لیکن اس میں ہم مسلمانوں کی کوتاہی کا بہت دخل ہے حالانکہ مصارف زکاۃ کی اس مد (مولفۃ القلوب) سے ایسے نو مسلموں کی معقول مدد کی جاسکتی ہے جس سے ان کے ارتداد کے خطرے کا بھی سدّ باب ہو سکتا ہے اور ان

کے گداگری اختیار کرنے کا بھی۔ اس مد سے ان کے لیے مستقل ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہیے جہاں سے ان کی کفالت کا اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا اور ان کی اسلامی تربیت کا اہتمام ہو تا کہ وہ معاشی پریشانی سے بھی محفوظ ہوں اور گمراہانہ عقائد و اعمال سے بھی محفوظ رہیں۔

یا ایسے مائل بہ اسلام کافر، جو مالی اعانت سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے بھی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ فقیر و مسکین ہوں تب ہی ان کی مد دزکاۃ کی مد سے کی جاسکتی ہے، بلکہ صاحب حیثیت ہونے کے باوجود ایسے لوگوں پر زکاۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

احناف رحمہم اللہ نے اس مد کو ساقط قرار دیا ہے،۔ قیامت تک یہ مصرف بھی دیگر مصافِ زکاۃ کی طرح قائم رہے گا اور بوقتِ ضرورت اور حسبِ اقتضاء مؤلفۃ القلوب کی مذکورہ اقسام کو زکاۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ عیسائی مشنریوں کی تبلیغی مہم کو ناکام بنانے کے لیے زکاۃ کی رقم کا استعمال عیسائی حکومتیں عیسائی مشنریوں کی بھرپور امداد کرتی ہیں، جس کے بل پر عیسائی مشنریوں نے اسلامی ممالک میں بالعموم اور افریقی ممالک میں بالخصوص عیسائیت کی تبلیغ کے جال پھیلا رکھے ہیں۔ ان مشنری اداروں کے، ایسے لوگ بالخصوص ہدف ہوتے ہیں جو مختلف مصائب کا شکار اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں۔ انسانی ہمدردی کے عنوان سے یہ عیسائیت کے پرچار ان کے قلوب میں اپنی جگہ بناتے ہیں اور پھر انہیں عیسائیت کے فتراک کا نخچیر بنالیتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی حکومتیں ارتداد کی اس مہم سے بالکل بے خبر اور اسلامی تبلیغ کے فریضے سے یکسر غافل ہیں۔ ایسے حالات میں مؤلفۃ القلوب کی مّدّ سے ایسے لوگوں کی امداد کی جاسکتی ہے اور کی جانی چاہیے جو ان مشنری اداروں کی کوششوں کی وجہ سے عیسائیت کے قریب آچکے ہوں، ان کی مالی امداد کر کے عیسائیت کی محبت ان کے دلوں سے نکالی جائے تاکہ وہ ارتداد کا راستہ اختیار نہ کریں۔ اسی طرح ایسے غریب عیسائیوں کی امداد بھی اس مد سے کی جاسکتی ہے اور کی جانی چاہیے کہ جو مختلف مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہوں اور ان کی مالی امداد سے ان کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید ہو۔

5. گردن چھڑانا

گردن چھڑانے سے مراد غلاموں کو آزاد کرنا ہے، جس کا رواج اُس دور میں تھا۔ گویا زکاۃ کی رقم سے غلام کو خرید کر آزاد کر دینا یا مکاتبت کی صورت میں اس (مکاتب) غلام کی امداد کرنا جائز ہے، غلامی کا رواج تو اب عملاً ختم ہو گیا ہے تاہم بعض حالات میں اس سے ملتی جلتی صورت یہ پیدا ہو سکتی ہے کہ کوئی مسلمان اگر دشمن کے ہاں گرفتار ہو جائے تو زکاۃ کی مد سے اس کا فدیہ ادا کر کے اس کو چھڑایا جاسکتا ہے، یا اسی نوعیت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو وہاں اس مد کے ذریعے سے امداد کی جاسکتی ہے۔

6. غارمین

اس سے مراد وہ شخص ہے جو مقروض ہو، وہ مقروض چاہے کم آمدنی کی وجہ سے ہو، جیسے غریب آدمی، جس کے ذرائع آمدنی تو بالکل محدود ہوں، لیکن زیر کفالت کنبہ بڑا ہو، یا اہل خانہ بیمار زیادہ رہتے ہوں، علاج معالجے پر کافی خرچ ہو جاتا ہو اور اس اضافی خرچ کی وجہ سے وہ قرض دار ہو جائے، کاروبار

میں نقصان ہونے، چوری ہو جانے یا آگ لگ جانے کی وجہ سے کوئی شخص مقروض ہو جائے، یا کسی کی ضمانت دینے کی وجہ سے اس کو کچھ رقم دینی پڑ جائے۔ ایسی مذکورہ بہت سی صورتوں میں کئی سفید پوش بھی زکاۃ کے مستحق بن جاتے ہیں اور ان مذکورہ قسم کے تمام افراد کی امداد زکاۃ کی رقم سے کی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں آخر الذکر شخص، جس نے دو فریقوں کا جھگڑا ختم کرنے کے لیے قرض کی ادائیگی کی ذمے داری اٹھائی ہو، وہ صاحب حیثیت بھی ہو تب بھی اس پر پڑنے والے تاوان کی ادائیگی کی حد تک اس کے ساتھ زکاۃ کی رقم سے تعاون کرنا جائز ہے۔ اسلام کی یہ سہولت بھی رفع نزاعات کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ آج کل اکثر امراء اس مد زکاۃ کو خاص اہمیت نہیں دیتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ زکاۃ صرف فقیر اور مسکین قسم ہی کے لوگوں کا حق ہے اور مقروض عام طور پر سفید پوش ہوتا ہے، وہ فقیر ہوتا ہے نہ فقیروں والی حالت ہی میں رہتا ہے، وہ سالہاسال تک قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہتا ہے لیکن اہل ثروت کے نزدیک وہ مستحق زکاۃ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا یہ قول یاد رکھنا چاہیے، انہوں نے اپنے عملِ حکومت کو یہ فرمان جاری کیا کہ وہ مقروضوں (غارمین) کے قرض ادا کریں، تو انہیں کہا گیا:

((إِنَّا نَجِدُ الرَّجُلَ لَہُ الْمَسْكَنُ وَالْخَادِمُ وَالْفَرَسُ وَالْأَثَاثُ، فَكَتَبَ عُمَرُ: إِنَّہُ لَا بُدَّ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ مِنْ مَّسْكَنٍ يَّسْكُنُہُ وَ خَادِمٍ يَّكْفِيہِ مِہْنَتُہُ وَ فَرَسٍ يُّجَاہِدُ عَلَيْہِ عَدُوَّہُ، وَ مِنْ أَنْ يَّكُونَ لَہُ الْأَثَاثُ فِي بَيْتِہِ، نَعَمْ فَاقْضُوا عَنْہُ فَإِنَّہُ غَارِمٌ))

''ہم دیکھتے ہیں کہ (مقروض) آدمی کے پاس گھر ہے، خادم ہے، گھوڑا ہے اور گھریلو سامان بھی ہے (کیا ایسے مقروض شخص کو بھی ہم قرض کی ادائیگی کے لیے زکاۃ دیں؟) حضرت عمر بن عبد العزیز نے انہیں لکھا، ایک مسلمان آدمی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس گھر ہو جس میں وہ رہائش رکھتا ہو، خادم ہو جو اس کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹاتا ہو اور گھوڑا ہو جس پر سوار ہو کر وہ اپنے دشمن سے لڑتا ہو۔ نیز اس کے گھر میں گھریلو سامان بھی ہو۔ اس سب کے باوجود اس کا قرض تم ادا کرو، اس لیے کہ وہ غارم (مقروض) ہے۔'' [1]

اسی قسم کی رائے کا اظہار حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔

7. فی سبیل اللہ

یعنی ''اللہ کی راہ میں'' یہ لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو، اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ لیکن جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ یہاں فی سبیل اللہ ''اللہ کی راہ میں'' سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، اس لیے اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو محاذِ جنگ پر دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہوں، یہ لوگ غنی ہوں تب بھی ان پر ملِ زکاۃ صرف کرنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: ''ملِ زکاۃ صرف اس غازی پر خرچ کیا جاسکتا ہے جو غریب ہو'' لیکن قرآن مجید کے اطلاق سے یہ تخصیص درست نہیں رہتی۔ قرآن میں عموم ہے جو ہر غازی کو شامل ہے، چاہے غریب ہو یا غنی۔ اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں مال دار غازی کو بھی زکاۃ کا مستحق قرار دیا ہے:

((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لَغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَۃٍ: لِغَازٍ فِي سَبِيْلِ اللہِ))

"پانچ قسم کے اغنیاء کے علاوہ کسی کے لیے لِلِ زکاۃ جائز نہیں۔ ان میں سے ایک غنی "غازی فی سبیل اللہ" ہے۔"[2]

اسی طرح سامانِ حرب وضرب خریدنے کے لیے اسلامی دفاعی فنڈ میں زکاۃ کا مال دینا جائز ہے، چنانچہ محمد بن عبد الحکم فرماتے ہیں:

[1]کتاب الأموال لأبي عبيد، رقم: 556- [2] سنن أبي داود، الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة و هو غني، حديث: 1635-

((يُعْطٰى مِنَ الصَّدَقَةِ فِي الْكُرَاعِ وَ السِّلَاحِ وَمَا يُحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنْ اٰلَاتِ الْحَرْبِ وَ كَفِّ الْعَدُوِّ عَنِ الْحَوْزَةِ لِأَنَّهُ كُلَّهُ مِنْ فِي سَبِيلِ الْغَزْوِ وَ مَنْفَعَتِهِ وَ قَدْ أَعْطَى النَّبِيُّ صلي الله عليه وسلم مِنَ الصَّدَقَةِ مِائَةَ نَاقَةٍ فِي نَازِلَةِ سَهْلِ بْنِ أَبِيْ حَثْمَةَ إِطْفَاءً لِّلثَّائِرَةِ))

"حاجت وضرورت کے مطابق آلاتِ حرب، گھوڑے اور ہتھیار خریدنے اور دشمن کو اپنے ملک سے دفع کرنے کے لیے زکاۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی میں داخل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن ابی حثمہ کے قتل کے سلسلے میں فتنہ وفساد سے لڑائی کا شعلہ سرد کرنے کے لیے زکاۃ کے سو اونٹ خرچ کیے تھے۔"[1]

حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے

کیونکہ اس کی وضاحت بعض حدیثوں میں آگئی ہے، چنانچہ ام معقل رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے:

((قَالَ رَسُولُ اللهِ صلي الله عليه وسلم : اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ مِنْ سَبِيْلِ اللهِ))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا، فی سبیل اللہ میں حج اور عمرہ داخل ہیں۔"[2] شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے، مگر اس میں عمرے کا ذکر شاذ ہے، یعنی عمرے کے بغیر یہ روایت صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کا فی سبیل اللہ میں

[1]أحكام القرآن لابن العربي: 2/957- [2] مسند أحمد: 6/406 و الإرواء، حديث: 1587,879-

سے ہونا صحیح ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی بابت ایک اثر منقول ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (ارواء الغلیل: 869/3) صحیح بخاری میں معلقاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی نقل کی گئی ہے کہ زکاۃ کی رقم حج کے لیے دی جاسکتی ہے اور حضرت ابو لاس رضی اللہ عنہ سے معلقاً منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حج کے لیے زکاۃ کے اونٹ عطا فرمائے۔[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ اس طرح کی احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "یہ احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ فی سبیل اللہ کی مد سے حج اور عمرہ کے لیے جانے والوں کی امداد کی جاسکتی ہے اور ان کے سفر کا سامان وغیرہ تیار کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی جانور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف ہے تو اس پر حاجی اور معتمر سفر کر سکتا ہے۔"[2]

اس عبارت کی بنیاد بھی اس حدیث پر ہے جس میں حج اور عمرہ دونوں کو فی سبیل اللہ میں سے بتلایا گیا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے گزرا کہ عمرے کا ذکر شاذ ہے، اس لیے صرف حج کا فی سبیل اللہ میں سے ہونا صحیح ہے۔ تبلیغ و دعوت کے کام بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہیں اسی طرح مدارس دینیہ پر جہاں فقیر، مسکین اور غریب طلباء تعلیم پاتے ہوں، یا کسی بھی تبلیغی تحریری یا تقریری مد میں زکاۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے، کیونکہ تبلیغی جدوجہد پر جہاد فی سبیل اللہ صادق آتا ہے کیونکہ ان کا مقصد بھی جہاد کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ (دین کا غلبہ اور اس کی سربلندی) ہے۔ ان میں ہر پڑھنے والا بھی مجاہد ہے چاہے وہ غریب ہو یا صاحبِ حیثیت، اس لیے بلا تفریق سب پر زکاۃ کی رقم خرچ ہو سکتی ہے۔ بلکہ مدارس دینیہ میں زیر تعلیم طلباء کا استحقاق دوگنا ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ ان کی اکثریت فقراء و مساکین کے ذیل میں آتی ہے اور دوسری اس وجہ سے کہ ان کی زندگی اور تعلیم کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔

مدرسے کی تعمیر اور تنخواہوں پر زکاۃ؟

مدارسِ دینیہ کے سلسلے میں ایک سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ ان کی تعمیر اور دیگر ضروریات پر، اسی طرح ان میں پڑھانے والے اساتذہ کی تنخواہوں پر بھی زکاۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ راقم کے خیال میں آج کل دین کی حفاظت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مدارس دینیہ ہی سب سے بڑا ذریعہ ہیں، گویا جہاد کا جو مقصد ہے وہی مقصد دینی مدارس و مراکز کا ہے، اس اتحادِ علت کی وجہ سے مدارس کی تعمیر پر (بشرطیکہ عمارت کو پر شکوہ بنانے کے لیے اسراف سے کام نہ لیا جائے) اور اساتذہ و دیگر ملازمین کی تنخواہوں پر بھی زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ ان کے بغیر دینی مدارس نہ قائم ہو سکتے ہیں اور نہ وہ اپنا کام ہی کر سکتے ہیں۔

ہسپتالوں اور ان کی مشینریوں پر زکاۃ لگ سکتی ہے؟

آج کل ایک اور سلسلہ عام ہو گیا ہے کہ ہسپتالوں کے قیام اور ان میں علاج معالجہ کی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے نہایت گراں قیمت مشینوں اور آلات کے لیے زکاۃ سے فنڈ جمع کیا جاتا اور ان پر اس کو صرف کیا جاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ان میں غریبوں کا بھی علاج ہو گا یا ہوتا ہے۔ کیا زکاۃ کا یہ مصرف اور ان کی دلیل صحیح ہے؟ ہمارے خیال میں زکاۃ کا یہ مصرف صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں جہاد والی علت (دین کی حفاظت اور اعلائے کلمۃ اللہ) مفقود ہے، اس لیے محض غریبوں کے نام پر اس کا جواز تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں اس رُجحان سے دینی مدارس و مراکز کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے جو پہلے ہی حکومتوں اور امراء کی دین سے غفلت اور بے اعتنائی کی وجہ سے کسمپرسی کا شکار ہیں۔ اس لیے ان فلمی اداکاروں اور گویوں کو یا دیگر افراد جو ہسپتالوں کے قیام کے نام پر زکاۃ فنڈ اور چرم ہائے قربانی جمع کرنے پر لگے ہوئے ہیں، قطعاً اپنی زکاۃ نہیں دینی چاہیے، ہسپتال مصرف زکاۃ نہ ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ واللہ علم۔

8. ابن السبیل (مسافر)

ابن السبیل کا لفظی ترجمہ ہے" راستے کا بیٹا، فرزند راہ۔" مراد ہے مسافر، کیونکہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر، راستے طے کر کے ہی کرتا ہے۔ اسے مستحق زکاۃ قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ بعض دفعہ دیارِ غیر میں اس کے پاس کچھ نہیں رہتا (گو اپنے وطن اور اپنے گھر میں اس کے پاس سب کچھ ہو۔) آج کل اگرچہ تیز رَو جدید مواصلات کا اور اسی طرح بنکوں کے ذریعے سے ہر جگہ اپنے اکاؤنٹ سے اپنا مال حاصل کرنے کا نظام موجود ہے، اور ان سے لوگوں کو بہت سہولتیں حاصل ہو گئی ہیں جن کا پہلے تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ بہت سے مسافر اپنے وطن سے دور ضرورت مندی اور احتیاج کی اس سطح کو پہنچ سکتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں کی امداد کی ضرورت پیش آئے اور مسلمانوں کے تعاون کے بغیر ان کے لیے اپنے جسم و روح کا رشتہ بر قرار رکھنا اور اپنے گھر واپس پہنچنا مشکل ہو جائے۔ تو ایسے مسافروں پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے اور جو شخص دونوں جگہ ہی محتاج ہو، وہ مسافر تو بطریق اولیٰ زکاۃ کا مستحق ہے۔

زکاۃ کی تقسیم حالات و ضروریات کے مطابق ہونی چاہیے:

بعض ائمہ کی رائے ہے کہ جن آٹھ مصافِ زکاۃ کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اگر مالک یا اس کا وکیل خود زکاۃ تقسیم کرے (سرکاری اہل کار۔ عامل۔ اس سے وصول کر کے بیت المال میں جمع نہ کرے) تو وہ زکاۃ کو سات حصوں میں تقسیم کر کے ساتوں مصارف پر تھوڑی تھوڑی خرچ کرے اور اگر خلیفۂ وقت کی طرف سے زکاۃ کے جمع کرنے اور تقسیم کرنے کا نظام قائم ہو تو وہ آٹھوں مصارف پر تقسیم کرے۔ لیکن یہ رائے جمہور کی رائے کے خلاف ہے۔ جمہور علماء یہی کہتے ہیں کہ آٹھ مصارف بیان کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی زکاۃ آٹھوں یا ساتوں حصوں پر تقسیم کرے، بلکہ ان مصافِ ثمانیہ کے ذکر سے اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ یہ یہ افراد اور یہ یہ جگہیں ہیں جہاں زکاۃ کی رقم خرچ کرنی جائز ہے۔ اب یہ حالات پر منحصر ہے، چاہے زکاۃ انفرادی طور پر ادا کی جائے یا اجتماعی طور پر۔ کہ کون یا کون کون اس وقت زیادہ مستحق ہے؟ اس حساب سے زکاۃ کی تقسیم عمل میں لائی جائے گی۔ اگر ملک میں غربت و ناداری زیادہ ہے، جبکہ جہاد کا مرحلہ بھی سامنے نہیں ہے، اسی طرح اور بھی بعض مصارف زیادہ اہمیت کے حامل نہیں ہیں، تو ساری زکاۃ فقراء و مساکین پر تقسیم کر دینا بھی جائز بلکہ انسب ہے۔ اسی طرح اگر جہاد کا مرحلہ سامنے ہے تو ساری زکاۃ اسی پر خرچ کرنی جائز بلکہ ضروری ہو گی۔ بنابریں اگر ایک شخص کی زکاۃ تھوڑی ہے اور وہ کسی ایک ہی ضرورت مند مستحق کو ساری زکاۃ دے دیتا ہے، تو اس کا ایسا کرنا صحیح بلکہ انسب (زیادہ مناسب) ہے۔

بعض حالات میں صاحب نصاب بھی مستحق زکاۃ ہو سکتا ہے

مذکورہ وضاحت سے ان علماء کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جو مال کی کسی ایک قسم کے اعتبار سے صاحب نصاب ہے، لیکن کثرتِ عیال یا دیگر اسباب و وجوہ کی بنا پر اس کی آمدنی اسے کفایت نہیں کرتی، تو وہ ایک اعتبار سے تو غنی ہے اور اپنے مال میں سے زکاۃ نکالنے کا پابند ہے، لیکن اس اعتبار سے وہ فقیر بھی ہے کہ اس کا مال اس کی کفایت کرنے سے قاصر ہے، چنانچہ ایسے شخص کو بھی زکاۃ دی جا سکتی ہے۔[1]

[1]فقہ السنۃ: 1/327-

باب: 4

وہ افراد، جن کے لیے زکاۃ جائز نہیں 1. آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

جن کے لیے زکاۃ لینا جائز نہیں، ان میں ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے اور اس سے مراد بنو ہاشم ہیں، جن میں آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس، آل حارث اور بقولِ بعض بنو مطلب ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اور اپنے اہل و عیال کی بابت بھی صدقے کے معاملے میں بہت زیادہ احتیاط فرماتے تھے۔ تاہم بعض ائمہ کا کہنا ہے کہ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ آپ پر مال و دولت جمع کرنے کا اتہام نہ لگا سکیں۔ علاوہ ازیں آپ کے قرابت داروں کے لیے خمس میں سے ایک حصہ مقرر تھا، اب یہ حصہ بھی ختم ہو گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو متہم کرنا بھی اب ممکن نہیں رہا ہے، اس لیے بوقت ضرورت اب زکاۃ و صدقات سے ان کی امداد کرنا جائز ہے۔[1]

2. اغنیاء

دوسرے لوگ، جن کے لیے زکاۃ لینا حرام ہے، اغنیاء ہیں۔ ان سے مراد وہ

[1]فقہ الزکاۃ، اردو: 2/253-

اصحابِ حیثیت لوگ ہیں جو اپنی ضروریات پوری کرنے میں کسی کے محتاج نہ ہوں۔ تاہم وہ اغنیاء مستثنیٰ ہیں جن کے لیے زکاۃ جائز قرار دے دی گئی ہے۔ جیسے عاملین، غازی (فی سبیل اللہ) ابن السبیل (مسافر)، موکفۃ القلوب اور وہ لوگ جو باہمی تنازعات کے خاتمے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے کسی کے قرض کی ادائیگی کی ذمے داری اٹھالیں، ان کے لیے قرآن میں غارمین کا لفظ ستعمال کیا گیا ہے۔

یہ پانچ قسم کے لوگ ہیں جو فقیر ہوں یا غنی، حسب ضرورت ان پر زکاۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے۔ بعض علماء نے ان مذکورہ قسموں پر غور کر کے ان کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے اور اس سے یہ بات اخذ کی ہے کہ جو مسلمان حاجت مند ہوں، وہ بھی مستحق زکاۃ ہیں اور جن لوگوں کے، مسلمان حاجت مند ہوں، (یعنی جن کی خدمات اور کردار سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے) ان پر بھی زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔

پہلی قسم: جو مسلمان حاجت مند ہوں، جیسے فقراء و مساکین، آزاد کرنے کے قابل غلام، مقروض اور مسافر ہیں۔

دوسری قسم: جن کی مسلمانوں کو حاجت ہو۔ جیسے عاملین، موکفۃ القلوب، غارمین (صلح کی خاطر دوسروں کا مالی بوجھ اٹھانے والے) اور فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے) ہیں اور اسی میں بعض علماء نے علوم دین حاصل کرنے یا پھیلانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینے والے طلباء اور

علماء کو بھی شامل کیا ہے، کیونکہ ان کا مقصد بھی جہاد کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ ہی ہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ فِيْ سَبِيلِ اللهِ أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا أَوْ لِغَارِمٍ أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ أَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِّسْكِينٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِينِ فَأَهْدَاهَا الْمِسْكِينُ لِلْغَنِيِّ))

''پانچ قسم کے مال داروں کے لیے زکاۃ حلال ہے، ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، دوسرا زکاۃ وصول کرنے والا، تیسرا غارم، (یعنی صلح کی خاطر تاوان ادا کرنے والا) چوتھا اپنے مال سے زکاۃ کی چیز خریدنے والا اور پانچواں وہ شخص، جس کا پڑوسی کوئی مسکین ہو، وہ مسکین زکاۃ کے مال سے اس (غنی) کو ہدیہ دے۔''[1]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے (جسے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے دو مقصد کے لیے زکاۃ مقرر فرمائی ہے۔ ایک اس لیے کہ مسلمانوں کی حاجتیں پوری ہوں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی مدد اور اس کی تقویت ہو، پس جو مدات اسلام کی تائید کے لیے ہیں، ان میں سے غنی اور فقیر دونوں کو زکاۃ دی جائے گی، جیسے مجاہد وغیرہ ہیں اور مؤلفۃ القلوب کو دینا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔[2]

اور متعفف علماء اور طلبائے علوم دینیہ بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جیسا کہ پہلے صراحت گزری ہے۔

[1]سنن أبي داود، الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وہو غني، حديث: 1635- [2] مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیۃ: 25/40، طبع قدیم۔

3. غیر مسلم

زکاۃ خالص مسلمانوں کا حق ہے یعنی مسلمانوں کے اغنیاء سے وصول کر کے مسلمان فقراء و مساکین پر خرچ کی جائے گی، جیسا کہ حدیث معاذ میں صراحت ہے:

((تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَ تُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ))

''زکاۃ مسلمانوں کے اغنیاء سے وصول کر کے ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی۔''[1]

تاہم نفلی صدقات سے غیر محارب (مسلمانوں سے نہ لڑنے والے) غیر مسلموں کے ساتھ تعاون کیا جاسکتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّـهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ﴾

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ تمہیں نیک سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں لڑائی نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔"[2]

اسی طرح جب حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مشرک ماں کی بابت صلہ رحمی، یعنی حسن سلوک کرنے کا پوچھا، تو آپ نے فرمایا: ((صِلِيْ أُمَّکِ)) "اپنی ماں کے ساتھ صلح رحمی (یعنی حسن سلوک) کر۔"[3]

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث: 1395- [2] الممتحنة 60:8- [3] صحيح البخاري، الأدب، باب صلة الوالد المشرك، حديث: 5978، و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين...،حديث: 1003و اللفظ لمسلم۔

قرآن مجید کی ایک اور آیت (اور اس قسم کی دیگر آیات) سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴾

"اور وہ کھانے کی محبت کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔"[1]

اس میں مسکین، یتیم اور قیدی عام ہیں، مسلمان ہوں یا غیر مسلمان۔ سب ضرورت مندوں کو کھلانا اور ان کی خبر گیری کرنا مستحب عمل ہے، چنانچہ منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے کافر قیدیوں کی بابت صحابہ کو حکم دیا تھا کہ ان کی تکریم کریں، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پہلے ان کو کھانا کھلاتے اور خود بعد میں کھاتے (تفسیر ابن کثیر)

4. فسق وفجور یا بدعت کا مرتکب

فاسق وفاجر، بے نمازی یا بدعتی کو زکاۃ دینی جائز ہے یا نہیں؟ اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ تاہم بعض علماء کے نزدیک مذکورہ قسم کے لوگوں کو زکاۃ دینا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((أَمَّا الزَّكَاةُ، فَيَنْبَغِي لِلْإِنْسَانِ أَنْ يَتَحَرَّى بِهَا الْمُسْتَحِقِّينَ مِنَ الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْغَارِمِينَ وَ غَيْرِهِمْ مِّنْ أَهْلِ الدِّيْنِ، الْمُتَّبِعِينَ لِلشَّرِيعَةِ فَمَنْ أَظْهَرَ بِدْعَةً أَوْ فُجُورًا فَإِنَّهُ يَسْتَحِقُّ الْعُقُوبَةَ بِالْهَجْرِ وَ غَيْرِهِ وَالِاسْتِتَابَةِ فَكَيْفَ يُعَانُ عَلٰى ذٰلِکَ؟))

[1]الدہر 76:8-

"انسان کو چاہیے کہ وہ زکاۃ دینے کے لیے فقراء و مساکین اور غارمین وغیرہم میں سے ایسے مستحق لوگوں کو تلاش کرے جو دیندار اور شریعت کے پیروکار ہوں۔ پس جو بدعت یا فسق وفجور کا اظہار کرے تو وہ تو اس سزا کا مستحق ہے کہ اس سے تعلق توڑ لیا جائے اور اس سے توبہ کروائی جائے، وہ مدد کا مستحق کیوں کر ہو سکتا ہے؟۔"[1]

شیخ الاسلام آگے چل کر فرماتے ہیں:

((وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مُّصَلِّيًا أُمِرَ بَالصَّلَاةِ، فَإِنْ قَالَ، أَنَا أُصَلِّي، أُعْطِيَ وَإِلَّا لَمْ يُعْطَ))

"جو بے نمازی ہو، اسے نماز پڑھنے کی تلقین کی جائے، اگر وہ کہے میں نماز پڑھوں گا، تو اسے زکاۃ کی رقم دے دی جائے، اگر وہ نماز پڑھنے کا اقرار نہ کرے تو اسے نہ دی جائے۔"[2]

اور اللہ کے دین کا مذاق اڑانے والے، منکرات کا کھلم کھلا ارتکاب کرنے والے اور گمراہی سے باز نہ آنے والے بھی اسی حکم میں شامل ہوں گے۔ جو علماء مذکورہ قسم کے افراد کو زکاۃ دینا جائز قرار دیتے ہیں، وہ بھی مطلقًا اس کے قائل نہیں ہیں، بلکہ وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ زکاۃ کی رقم اپنے فسق وفجور ہی پر خرچ کریں اور اس سے اللہ کی نافرمانی ہی کا ارتکاب کریں، تو اس صورت میں وہ ہرگز زکاۃ کے مستحق نہیں ہیں۔ ہاں اگر ان کی اصلاح کی امید ہو یا وہ اپنی اصلاح کرنے کا وعدہ کریں، تب انہیں زکاۃ کی رقم دینا جائز ہو گا۔ یوں ان حضرات کا موقف بھی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

[1]مجموع الفتاوی: 25/87- [2] مجموع الفتاوی: 25/89-

کے قریب ہی ہو جاتا ہے۔

5. والدین اور اولاد

اولاد اپنے والدین کو اور والدین اپنی اولاد کو زکاۃ نہیں دے سکتے، کیونکہ ان پر ایک دوسرے کا نفقہ واجب ہے۔ اولاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ والدین کی کفالت کرے، اسی طرح اولاد کی کفالت والدین کی ذمے داری ہے، بالخصوص جبکہ وہ چھوٹی اور کمانے کے قابل نہ ہو۔ تاہم بعض ائمہ کے نزدیک جب اولاد بڑی ہو کر والدین سے الگ ہو جائے اور وہ فقیر و مسکین کی تعریف میں آتی ہو، تو اس صورت میں والدین اس کو زکاۃ دے سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر اولاد، کثرت عیال یا کسی اور وجہ سے والدین پر خرچ کرنے کی استطاعت نہ رکھے، تو وہ بھی اس صورت میں والدین کی مدد زکاۃ کی رقم سے کر سکتے ہیں۔[1]

دادا، دادی، پوتا، پوتی اور نواسہ، نواسی کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر والدین اور اولاد کا بیان ہوا (فقہ السنۃ) یعنی ان پر بھی زکاۃ کی رقم خرچ کرنا صحیح نہیں، تاہم ضرورت کے تحت، (جیسا کہ تفصیل گزری) اس کی گنجائش ہے۔

6. بیوی

بیوی]-0 کا نان و نفقہ خاوند کے ذمے ہے، اس لیے خاوند بیوی پر زکاۃ کی رقم خرچ نہیں کر سکتا، کیونکہ اس طرح کرنے سے وہ زکاۃ سے خود فائدہ اٹھائے گا، جبکہ زکاۃ سے زکاۃ دینے والے کے لیے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ یہی علت والدین اور اولاد

[1]المجموع شرح المہذب، ج: 6، ص: 229، فتاویٰ ابن تیمیہ: 25/90-

کو زکاۃ دینے میں مانع ہے۔ تاہم خاوند اگر غریب و مسکین اور بیوی مال دار ہو، تو بیوی اپنے خاوند کو زکاۃ دے سکتی ہے، اسی طرح اپنے زیر کفالت یتیم بچوں پر بھی اسے خرچ کر سکتی ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

7. رفاہی کام

رفاہی کاموں پر بھی زکاۃ کی رقم خرچ کرنا صحیح نہیں۔ جیسے سڑک، پل وغیرہ بنانا اور اسی قسم کے دیگر کام۔ حتی کہ جمہور علماء کے نزدیک تعمیر مسجد پر بھی اسے خرچ نہیں کیا جا سکتا۔

8. صحت مند اور کمانے کے قابل شخص

آٹھویں جگہ جہاں زکاۃ کا صرف کرنا جائز نہیں، وہ شخص ہے جو قوی مکتسب ہے، یعنی جو صحت مند اور قوی ہے اور کمانے کی استعداد و صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے شخص کو خود بھی چاہیے کہ وہ محنت سے گریز نہ کرے اور لوگوں سے مانگنے کی بجائے کسب معاش کے لیے محنت اور جدوجہد کرے اور زکاۃ دینے والوں کو بھی چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو زکاۃ کی رقم دے کر انہیں نکھٹو بنے رہنے کی حوصلہ افزائی نہ کریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعے پر، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقے (زکاۃ) کا مال تقسیم فرما رہے تھے، دو آدمی آئے اور انہوں نے آپ سے سوال کیا، آپ نے ان کے سراپے پر نظر ڈالی اور اوپر سے لے کر نیچے تک ان کا جائزہ لے کر انہیں طاقتور قرار دیا اور پھر ان سے خطاب کر کے فرمایا:

((إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَّلَا لِقَوِيٍّ مُّكْتَسِبٍ))

"اگر تم چاہو تو تمہیں دے دیتا ہوں، لیکن زکاۃ میں مال دار اور طاقت ور کمائی کرنے والے کا کوئی حصہ نہیں۔"[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نہایت بلیغ اور پُر حکمت ہیں، ان الفاظ میں ایک طرف آپ نے قوی مکتسب کو مال دار کے مساوی قرار دے کر اسے زکاۃ کا غیر مستحق قرار دیا اور دوسری طرف انہیں زکاۃ کی رقم دینے کا اشارہ بھی فرمایا۔ کیونکہ آپ نے انہیں صحت مند اور توانا تو دیکھا، لیکن آپ کو ان

کے حالات کا علم نہیں تھا، ممکن ہے قوی و توانا ہونے کے باوجود وہ ایسے حالات سے دوچار ہوں کہ ان کے لیے سوال کرنا اور زکاۃ کی رقم لینا جائز ہو، اس لیے آپ نے ان کے لیے جواز کا راستہ بھی کھلا رکھا اور اسے ان کے لیے حرام قرار نہیں دیا۔ اگر ان کے لیے زکاۃ کی رقم لینا حرام ہوتا تو آپ یہ کبھی نہ فرماتے کہ "اگر تم چاہو تو تمہیں دے دیتا ہوں" بلکہ صاف الفاظ میں ان کو زکاۃ کی رقم دینے سے انکار فرما دیتے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس طرح غنی (مال دار) کے لیے بعض حالات میں زکاۃ کا مال لینا جائز ہے، جیسے مجاہد، غارم اور ابن السبیل (مسافر) ہیں ۔اسی طرح بعض حالات میں قوی مکتسب کے لیے بھی زکاۃ جائز ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے یہ جواز کب ہو گا؟ جب وہ محنت اور جدوجہد کے باوجود اتنی کمائی نہ کر سکے کہ جس سے اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات زندگی پوری ہو سکیں۔ امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے اس نکتے کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے:

((فَأُرَاهُ صلي الله عليه وسلم قَدْ سَوَّى بَيْنَهُمَا فِي تَحْرِيمِ الصَّدَقَةِ عَلَيْهِمَا وَجَعَلَ

الْغِنٰى وَالْقُوَّةَ عَلَى الْاِكْتِسَابِ عَدْلَيْنِ، وَ إِنْ لَّمْ يَكُنِ الْقَوِيُّ ذَا مَالٍ فَهُمَا الْاٰنَ سِيَّانِ إِلَّا أَنْ يَّكُونَ هٰذَا الْقَوِيُّ مَجْدُودًا عَنِ الرِّزْقِ مُحَارِفًا، وَ هُوَ فِي ذٰلِكَ مُجْتَهِدٌ فِي السَّعْيِ عَلٰى عِيَالِهِ حَتَّى يُعْجِزَهُ الطَّلَبُ، فَإِذَا كَانَتْ هٰذِهِ حَالُهُ فَإِنَّ لَهُ حِيْنَئِذٍ حَقًّا فِي أَمْوَالِ الْمُسْلِمِينَ، يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى (وَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ)'

[1]سنن أبي داود، الزكاة، باب من يعطٰى من الصدقة وحد الغنٰى، حديث: 1633-

"میرے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں (مال دار اور قوی) کو حرمت زکاۃ میں برابر کر دیا ہے اور مال داری اور کمانے کی قوت، دونوں کو ایک جیسا قرار دیا ہے، اگرچہ قوی آدمی صاحب مال نہ ہو، لیکن وہ اور صاحب مال دونوں اب برابر ہیں۔ ہاں اگر قوی شخص (کے پاس کمائی کے معقول ذرائع نہیں ہیں اور وہ) رزق سے محروم ہے حالانکہ اس کے لیے وہ اپنی امکانی سعی بروئے کار لاتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے بال بچوں کی کفالت نہیں کر پاتا۔ تو ایسی حالت میں مسلمانوں کے مالوں میں اس کا حق ہے اور وہ قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہے کہ "مسلمانوں کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔"[1]

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَجَاءَ فِي تَقْدِيرِ الْغُنْيَةِ الْمَانِعَةِ مِنَ السُّؤَالِ أَنَّهَا أُوقِيَةٌ أَوْخَمْسُونَ دِرْهَمًا وَجَاءَ أَيْضًا أَنَّهَا مَا يُغَدِّيْهِ أَوْ يُعَشِّيهِ وَهٰذِهِ

[1]كتاب الأموال، رقم: 1753-

الْأَحَادِيثُ لَيْسَتْ مُتَخَالِفَةً عِنْدَنَا لِأَنَّ النَّاسَ عَلٰى مَنَازِلَ شَتَّى وَ لِكُلِّ وَاحِدٍ كَسْبٌ لَا يُمْكِنُ أَنْ يَّتَحَوَّلَ عَنْهُ...، فَمَنْ كَانَ كَاسِبًا بِالْحِرْفَةِ فَهُوَ مَعْذُورٌ حَتَّى يَجِدَ أٰلَاتِ الْحِرْفَةِ، وَ مَنْ كَانَ زَارِعًا حَتَّى يَجِدَ اٰلَاتِ الزَّرْعِ، وَ مَنْ كَانَ تَاجِرًا حَتَّى يَجِدَ الْبِضَاعَةَ وَ مَنْ كَانَ عَلَى الْجِهَادِ مُسْتَرْزِقًا بِمَا يَرُوحُ وَ يَغْدُو مِنَ الْغَنَائِمِ، كَمَا كَانَ أَصْحَابُ

رَسُولِ اللهِ صلي الله عليه وسلم ، فَالضَّابِطُ فِيهِ أُوقِيَةٌ أَوْ خَمْسُونَ دِرْہَمًا، وَ مَنْ كَانَ كَاسِبًا بِحَمْلِ الْأَثْقَالِ فِي الْأَسْوَاقِ أَوِاحْتِطَابِ الْحُطَبِ وَ بَيْعِهِ وَ أَمْثَالِ ذٰلِكَ، فَالضَّابِطُ فِيهِ مَا يُغَدِّيهِ أَوْ يُعَشِّيْهِ))

"اس تونگری کے بارے میں جو سوال سے مانع ہے، مختلف اندازے احادیث میں بیان ہوئے ہیں، (مثلاً) وہ ایک اوقیہ (چالیس درہم) ہیں یا پچاس درہم ہیں اور یہ بھی آیا ہے کہ جس کے پاس صبح یا شام کی خوراک موجود ہو (یہ افراد زکاۃ کے مستحق نہیں ہیں) ہمارے نزدیک یہ احادیث ایک دوسرے کی مخالف نہیں ہیں، اس لیے کہ لوگ مختلف مراتب کے حامل ہوتے ہیں اور ہر ایک کا ذریعہ کمائی ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پھرنا (اسے بدلنا) اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ پس جو شخص دست کاری کے ذریعے سے کمائی کرتا ہے تو وہ اس وقت تک معذور ہے جب تک اسے دست کاری کے اوزار دستیاب نہ ہوں۔ جو کاشت کار ہے وہ (اس وقت تک معذور ہے) جب تک اسے کاشت کاری کے آلات میسر نہ ہوں۔ تاجر ہے تو اس کے لیے سامان تجارت ضروری ہے اور جو مصرفِ جہاد ہے اسے مالِ غنیمت سے رزق مہیا کیا جاتا ہے جس سے اس کے صبح و شام گزرتے ہیں، جیسا کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا۔ پس اس (عدم استحقاق) میں ضابطہ ایک اوقیہ یا پچاس درہم ہیں اور جو شخص بازاروں میں بوجھ اٹھا کر کمانے والا ہے یا لکڑیاں کاٹ یا جمع کر کے اس کی بیع (خرید فروخت) کرتا ہے یا اس قسم کا کوئی کام کرنے والا ہے، تو ان کے لیے ضابطہ اتنی خوراک کا ہونا ہے جو ان کی صبح یا شام کے لیے کافی ہو۔"[1]

اور امام ابو عبید قاسم بن سلام احادیث میں بیان کردہ غِنٰی (تونگری) کی مختلف مقداروں کا ذکر کر کے ان سے ایک اصولی بات یہ مستنبط کرتے ہیں۔

((وَلٰكِنْ مَّعْنَاهُ فِيمَا نُرٰى عَلَى مَا ہُوَ مُبَيَّنٌ فِي الْحَدِيثِ نَفْسِهِ 'أَنَّهُ مَنْ سَأَلَ مَسْأَلَةً لِيَتَكَثَّرَ بِهَا' يَقُولُ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ شَأْنُ ہٰذَا مِنْ مَّسْأَلَتِهِ أَنْ يَّنَالَ مِنْہَا قَدْرَ مَا يَكُفُّهُ وَ يُعِفُّهُ ثُمَّ يُمْسِكُ، وَ لٰكِنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَّجْعَلَہَا إِزَادَتَهُ وَ طُعْمَتَهُ أَبَدًا فَإِنَّهُ يَسْتَكْثِرُ مِنْ جَہَنَّمَ وَ إِنْ كَانَ مُعْدِمًا لَا يَمْلِكُ إِلَّا قَدْرَ مَا يُغَدِّيهِ أَوْ يُعَشِّيهِ))

"جہاں تک ہمارا خیال ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب ہے، جیسا کہ خود حدیث سے بھی یہی بات واضح ہے کہ "جس نے مال زیادہ کرنے کے لیے سوال کیا..." گویا آپ فرما رہے ہیں کہ جب سوال سے مقصد مال کا زیادہ کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف اتنا مال حاصل کرنا ہے جو اس کو (آئندہ) سوال سے روک دے اور اس سے بچا لے، پھر وہ رک جائے۔ لیکن اگر اس کا ارادہ

[1]حجۃ اللہ البالغۃ: 2/46۔

مال کی زیادتی اور ہمیشہ سامان خوراک حاصل کرتے رہنا ہے، تو بلاشبہ وہ جہنم کی آگ زیادہ کر رہا ہے اگرچہ وہ اتنا نادار ہے کہ صبح یا شام کی خوراک سے زیادہ اس کے پاس نہیں ہے۔"[1]

امام بغوی، دو آدمیوں والی مذکورہ روایت، جس میں ان کے سوال کرنے کا ذکر ہے، بیان کر کے لکھتے ہیں:

((فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْقَوِيَّ الْمُكْتَسِبَ الَّذِي يُغْنِيهِ كَسْبُهُ لَا يَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ وَ لَمْ يَعْتَبِرِ النَّبِيُّ صلي الله عليه وسلم ظَاہِرَ الْقُوَّةِ دُونَ أَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ الْكَسْبَ، لِأَنَّ الرَّجُلَ قَدْ يَكُونُ ظَاہِرَ الْقُوَّةِ غَيْرَ أَنَّهُ أَخْرَقُ لَاكَسْبَ لَهُ فَتَحِلُّ لَهُ

الزَّكَاةُ وَ إِذَا رَأَى الْإِمَامُ السَّائِلَ جَلْدًا قَوِيًّا شَكَّ فِي اَمْرِهِ وَ أَنْذَرَهُ وَ أَخْبَرَهُ بِالْأَمْرِ، كَمَا فَعَلَ النَّبِيُّ صلي الله عليه وسلم فَإِنْ زَعَمَ أَنَّهُ لَا كَسْبَ لَهُ أَوْ لَهُ عِيَالٌ لَا يَقُومُ كَسْبُهُ بِكِفَايَتِهِمْ قَبِلَ مِنْهُ وَأَعْطَاهُ))

"اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ توانا آدمی جو کمائی کرنے والا ہے اور اس کی کمائی اسے کافی ہو جاتی ہے، اس کے لیے زکاۃ جائز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کمائی کو ملائے بغیر صرف ظاہری قوت کا اعتبار نہیں کیا، اس لیے کہ بعض دفعہ آدمی ظاہری طور پر توانا ہوتا ہے، لیکن وہ بے وقوف بے ہنرا ہوتا ہے جس کا کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں ہوتا، تو ایسے شخص کے لیے زکاۃ جائز ہے اور جب امام، سائل کو مضبوط اور توانا دیکھے، اسے اس کے مستحق ہونے میں شک

[1]کتاب الأموال، ص: 553، رقم: 1738-

ہو اور وہ اسے ڈرائے اور اسے (بلاجواز سوال کرنے کی ہولناکی سے) خبردار کرے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، پھر اگر وہ خیال کرے کہ اس کا کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں ہے یا وہ عیال دار ہے اس کی کمائی اسے کافی نہیں ہوتی، تو وہ اس کی بات قبول کرلے اور اسے (زکاۃ کے مال سے) دے دے۔"[1]

شرح السنۃ والا بھی اس قسم کی روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

((يُمْكِنُ أَنْ يُطَبَّقَ بَيْنَ الْأَحَادِيثِ بِاخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ، وَالْأَصْلُ اعْتِبَارُ مَعْنَى الْحَاجَةِ وَالِاسْتِغْنَاءِ بِالْكَسْبِ الْمُتَيَسِّرِ))

"ان احادیث کے درمیان اس طرح تطبیق دینا ممکن ہے کہ انہیں مختلف احوال پر محمول کرلیا جائے اور اصل اعتبار، حاجت کے معنی و مفہوم کا اور میسر کمائی کے ذریعے سے استغناء کا ہے۔"[2]

مطلب یہ ہے کہ احادیث میں جو یہ آتا ہے کہ جس کے پاس ایک اوقیہ (چالیس درہم) ہو، اس کے لیے سوال جائز نہیں۔ یا جو شخص جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور انہیں بیچ کر اپنا گزارہ کر سکتا ہے، اس کے لیے بھی سوال کرنے کی بجائے یہی راستہ اختیار کرنا بہتر ہے، یا جس کے پاس صبح یا شام کی خوراک کے بقدر موجود ہو اس کے لیے بھی سوال کرنا صحیح نہیں ہے، تو اصل اعتبار، حاجت اور استغناء کا ہے۔ اس زمانے میں مذکورہ مقدار سے حاجت پوری ہو جاتی تھی یا استغناء (لوگوں سے بے نیازی) حاصل ہو جاتا تھا۔ آج بھی اگر مذکورہ طریقوں سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے،

[1]شرح السنۃ: 6/82,81بتحقیق شعیب الارناؤوط - [2] الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البہیۃ: 1/508-

بصورت دیگر جس طریقے یا مقدار سے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے یا انہیں استغناء حاصل ہو سکتا ہے، وہ طریقہ اختیار کرنا اور اس مقدار کو اپنانا جائز بلکہ ضروری ہو گا۔

اس نقطۂ نظر کی اہمیت وضرورت

ہم نے اس نکتۂ زیر بحث کو قدرے تفصیل سے اس لیے بیان کیا ہے کہ آج کل اصحابِ ثروت بالعموم زکاۃ کا مستحق صرف انھی لوگوں کو سمجھتے ہیں جو ظاہری طور پر مسکین وفقیر قسم کے ہوں۔ لیکن وہ سفید پوش لوگ جن کی قلیل آمدنیوں سے ان کے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، بعض دفعہ وہ اپنا علاج کرانے سے یا اپنی بچیوں کے ہاتھ پیلے کرنے سے یا اور اسی قسم کی دیگر ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، ان کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی۔ یہ طبقہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا، نہ کر سکتا ہے اور لوگ بھی انہیں غیر مستحق سمجھتے ہیں، حتی کہ مال دار رشتے دار بھی، جن سے ان کے حالات مخفی نہیں ہوتے، ان کی امداد نہیں کرتے۔ نتیجتاً وہ نہایت تنگی کی زندگی گزارتے اور بسا اوقات فاقوں کا شکار رہتے ہیں اور بعض لوگ تو خودکشی تک کر لیتے ہیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ اصحابِ ثروت لوگ اپنا رویہ بدلیں اور فقراء ومساکین کے ساتھ، وہ اپنے ان رشتے داروں پر بھی نظر رکھیں جو اپنی محدود اور قلیل آمدنی کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوں، وہ بغیر بتلائے زکاۃ کی رقم سے ان کی امداد کر سکتے ہیں اور ان کو ایسا کرنا چاہیے، تاکہ اس طبقے کی مشکلات بھی کم ہوں۔ ان کے لیے ایسا کرنا بالکل جائز ہے، جیسا کہ علماء کی تصریحات سے واضح ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں بعض اصحابِ نصاب بھی ہو سکتے ہیں لیکن اگر ان کی عمومی حالت محتاجی اور تنگ دستی کی ہے، تو صاحب نصاب ہونے کے باوجود وہ مستحق زکاۃ ہیں، جیسا کہ فقہ السنۃ کے حوالے سے بھی ہم یہ نکتہ بیان کر آئے ہیں۔

جماعتوں یا مسجدوں کی سطح پر بیت المال کے قیام کی ضرورت

زکاۃ کی یہی وہ حیثیت و اہمیت ہے جس کی وجہ سے اللہ نے زکاۃ کا ایک مصرف، عاملینِ صدقات کا مقرر فرمایا ہے تاکہ اسے آسانی سے جمع اور تقسیم کیا جاسکے۔ اگر یہ رخصت نہ ہوتی تو اس کا انتظام کرنا اور معاشرے کے ضرورت مندوں تک اسے پہنچانا نہایت مشکل ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصولی کے لیے عامل مقرر فرمائے اور اسی طرح بعد میں خلفائے راشدین اور ان کے بعد دیگر خلفاء نے بھی اس طریقے کو جاری رکھا۔ اب چند صدیوں سے بیت المال کا یہ ادارہ ختم ہے، اس لیے اسلامی معاشروں میں معاشی ناہمواری روز افزوں ہے اور غربت و ناداری میں مبتلا افراد سخت مشکلات کا شکار ہیں، علاوہ ازیں گداگری کی لعنت ایک ناسور کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اس کا علاج تو یہی ہے کہ مسلمان مملکتوں میں عہد رسالت اور عہد خلافت کی طرح بیت المال کا قیام سرکاری سطح پر عمل میں لایا جائے اور اس کے ذریعے ہی سے زکاۃ وصدقات کی وصولی اور تقسیم کا کام ہو۔ لیکن جیسا کہ باخبر حضرات جانتے ہیں کہ بدقسمتی سے مسلمانوں کی موجودہ حکومتیں اسلامی تشخص سے محروم ہیں اور وہ اسلام کی بجائے سیکولرازم کی راہ پر گامزن ہیں، اس لیے وہ تو یقیناً اس بات کی اہل نہیں ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مالوں سے زکاۃ وصول اور تقسیم کریں۔ بنابریں اب مذہبی جماعتیں اور دینی ادارے ہی ایسے رہ گئے ہیں کہ وہ اگر یہ کام کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کے اندر اجتماعی کفالت اور باہم تناصر و تعاون کا وہ شعور یا جذبہ نہیں

ہے جو ان کے اندر ہونا چاہیے، اس لیے وہ بھی اس کام کی اہمیت، افادیت اور ضرورت سے یا تو بے خبر ہیں یا جمود اور بے حسی نے ان کے قوائے فکر و عمل کو معطل کر رکھا ہے، چنانچہ ہر سال ہزاروں یا لاکھوں یا کروڑوں نہیں، بلکہ اربوں کے حساب سے زکاۃ نکالی جاتی ہے، لیکن مسلمان معاشروں میں غربت و ناداری کا گراف کم ہونے کی بجائے بڑھ ہی رہا ہے اور گداگری کی لعنت بھی پریشان کن حد تک روزافزوں ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ مذہبی جماعتیں اور دینی ادارے آگے بڑھیں اور بیت المال قائم کریں۔ مسجدوں کی سطح پر بھی یہ کام کیا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعے سے زکاۃ کے ثمرات و برکات اور اسلام کے اس بہترین نظام سے لوگوں کو بہرہ یاب کریں، مذہبی اور دینی اداروں کی بنیاد بھی یہی زکاۃ کا مال ہے، اگر انہیں مسلمان عوام سے یہ تعاون نہ ملے تو وہ ایک قدم نہیں چل سکتے۔ اگر وہ تھوڑی ہمت اور کریں اور زکاۃ کی وصولی اور تقسیم کو زیادہ وسیع بنیادوں پر قائم کر دیں اور محنت کے ساتھ امانت و دیانت کا بھی صحیح اہتمام کریں تو یقینا غیر سرکاری سطح پر بیت المال قائم ہو سکتے ہیں اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کو اس نظم اجتماعی سے زکاۃ کے فوائد و ثمرات سے بہرہ ور کر سکتے ہیں، وفَّقَہُمُ اللہُ لِمَا یُحِبُّ وَ یَرْضٰی۔

باب: 5

صدقۃ الفطر کے مسائل

1. مقصد

صیام رمضان کے خاتمہ پر صدقۂ فطر ضروری قرار دیا گیا ہے جس کے دو مقصد بتلائے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ روزے کی حالت میں باوجود سعی و کوشش کے بتقاضائے بشریت اگر کچھ انسانی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ارتکاب ہو گیا ہو تو اس سے ان کی تلافی ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ جو نادار اور مفلس لوگ خاص اہتمام کر کے اس ملی تہوار کی مسرتوں میں شریک ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے، اس صدقے کے ذریعے ان سے تعاون کر کے انہیں بھی اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ عید کا یہ اضافی خرچ اس طرح برداشت کرلیں اور زیر بار ہوئے بغیر عید کی مسرتوں میں شریک ہونے کے لیے کچھ نہ کچھ اہتمام کر سکیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث شریف میں ان دونوں مقاصد کی وضاحت یوں فرمائی گئی ہے:

((فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صلي الله عليه وسلم زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةً لِّلْمَسَاكِينِ))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر فرض کیا ہے (جس کا ایک مقصد) روزے دار کے روزے کو بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی سے پاک کرنا ہے اور (دوسرا مقصد) غرباء و مساکین کی خوراک (و دیگر ضروریات) کا انتظام ہے۔" [1]

2. فرضیت صدقہ الفطر

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۃ الفطر کا ادا کرنا فرض ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ جامع صحیح میں فرماتے ہیں:

((بَابُ فَرْضِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَ رَأى أَبُوالْعَالِيَةِ وَ عَطَاءٌ وَّابْنُ سِيرِينَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ فَرِيضَةً))

''صدقۃ الفطر کی فرضیت کا بیان، اور امام ابو العالیہ، عطاء اور ابن سیرین s صدقۃ الفطر کو فرض سمجھتے ہیں۔''

پھر امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کے تحت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیث نقل کرتے ہیں:

((فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صلي الله عليه وسلم زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَ الْأُنْثٰى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَ أَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد، غلام، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے مسلمان پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو بطور صدقۃ الفطر ادا کرنا فرض کیا ہے اور اسے لوگوں کے نماز کے لیے نکلنے سے قبل ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔''[2]

[1]سنن أبي داود، الزكاة، باب زكاة الفطر، حديث: 1609- [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، حديث: 1503-

اس حدیث میں ایک تو صدقۃ الفطر کو زکاۃ الفطر سے تعبیر کیا گیا ہے، دوسرے اس کے لیے فَرَضَ کا لفظ استعمال کیا اور یہ دونوں چیزیں اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

3. صدقۂ فطر کس پر فرض ہے؟

احناف کے نزدیک یہ صدقہ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہوں لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صدقے کی ادائیگی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، چاہے امیر ہو یا غریب، کیونکہ ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر کو روزوں کی تطہیر کا باعث بتلایا ہے اور روزوں کی تطہیر امیر اور غریب دونوں کے لیے ضروری ہے۔ دوسرے، آپ نے جن الفاظ میں اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، ان میں کوئی ایسی چیز نہیں جن سے امیر و غریب کے درمیان اس مسئلے میں فرق کا کوئی پہلو نکلتا ہو، اس لیے غرباء کو بھی صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے۔ تاہم کوئی بالکل ہی غریب ہو اور کسی ایسی جگہ رہائش پذیر ہو کہ جہاں اسے دیگر مسلمانوں کی طرف سے تعاون نہ ملے تو اس کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

4. نماز عید کے لیے نکلنے سے قبل ادائیگی ضروری ہے

یہ صدقۃ الفطر عید کی نماز کے لیے نکلنے سے قبل ضرور ادا کر دیا جائے کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں:

((وَ أَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نمازِ عید کے لیے نکلنے سے قبل اسے ادا کیا جائے۔"[1]

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

((فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صلي الله عليه وسلم زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةً لِّلْمَسَاكِينِ فَمَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَّقْبُولَةٌ، وَ مَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے دار کے روزے کو بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی سے پاک کرنے اور غرباء و مساکین کی خوراک مہیا کرنے کے لیے زکاۃ الفطر فرض کی ہے (یہ دوسرا مقصد اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب عید سے ایک دو روز قبل ہی غرباء کو یہ زکاۃ پہنچ جائے) پس جس شخص نے نماز عید (کے لیے جانے) سے قبل اسے ادا کر دیا، اس کی زکاۃ مقبول ہے اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے گا۔ تو اس طرح زکاۃ الفطر نہ ہو گی بلکہ یہ عام صدقات کی طرح ایک صدقہ ہو گا۔"[2]

5. صدقہ ٔفطر کس جنس سے ادا کیا جائے؟

صدقۃ الفطر ہر اس غلے سے دیا جا سکتا ہے جو انسان بطور خوراک استعمال کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں گیہوں، چنے، جو، مکئی، باجرہ، جوار، چاول وغیرہ اجناس خوردنی ہیں اور لوگ انہیں بطور خوراک استعمال کرتے ہیں، لہٰذا ان میں سے جو جنس زیادہ

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، حديث: 1503- [2] سنن أبي داود، الزكاة، باب زكاة الفطر، حديث: 1609-

استعمال کرتا ہے، اس سے وہ صدقۃ الفطر ادا کر سکتا ہے۔

6. مقدار صدقۃ الفطر

صحیح مذہب کی رُو سے صدقۃ الفطر کی مقدار ایک صاع حجازی ہے جس کا وزن آج کل کے حساب سے سوا دو کلو (2 کلو 100 گرام) ہے۔ ایک مسلک نصف صاع کا بھی ہے لیکن راجح، احادیث صحیحہ کی رو سے ایک ہی صاع ہے، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بعض صحابہ نے اپنے قیاس سے جب گندم کا نصف صاع تجویز کیا تو بعض دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور اس عزم کا اعلان فرمایا کہ وہ ایک ہی صاع ادا کرتے رہیں گے۔[1] دراصل نصف صاع کے اثبات میں کچھ روایات واحادیث آئی ہیں۔ ان میں سے کوئی حدیث بھی درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔ جیسا کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے۔[2]

7. اگر قیمت دی جائے تو کتنی؟

صدقۃ الفطر میں اصل یہ ہے کہ ایک صاع غلہ (گندم، چاول وغیرہ) دیا جائے، قیمت کے بجائے یہ بہتر ہے تاہم اگر کسی کے پاس صدقۂ فطر ادا کرنے کے لیے غلہ موجود نہ ہو، یا جو شخص اس کے سامنے ہو، وہ غلے کے بجائے دیگر ضروریات کا حاجت مند ہو تو دونوں صورتوں میں غلے کے بجائے اس کی قیمت دی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ قیمت اسی غلے کے اعتبار سے دی جائے جو انسان استعمال کرتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص دیسی گندم استعمال کرتا ہے تو وہ سوا دو کلو گندم یا اس کی قیمت ادا کرے۔ چاول

[1]صحیح مسلم، الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر، حدیث: 985- [2] السنن الکبریٰ للبیھقي: 4/170-

استعمال کرنے والا سوا دو کلو چاول یا اس کی قیمت ادا کرے۔ اس حساب سے ہر شخص اپنے تمام چھوٹے بڑے افرادِ خانہ کی طرف سے فی کس ایک صاع گندم یا ایک صاع چاول کے حساب سے صدقۂ فطر یا اس کی قیمت ادا کرے۔ اس صدقے سے گھر کا کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے، شیر خوار بچے سے لے کر شیخ فانی تک سب کی طرف سے ادا کیا جائے۔ اسی طرح غلاموں اور لونڈیوں کی طرف سے بھی ادا کیا جائے۔

8. صدقۃ الفطر کا مصرف

صدقۂ فطر کے اصل مستحق صرف غرباء و مساکین ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اس لیے مقامی اور اہل محلہ فقراء و یتامیٰ اور مساکین ہی کو یہ صدقہ دیا جائے، ہاں کسی علاقے میں غرباء و مساکین کا وجود نہ ہو تو پھر اسے زکاۃ کے مصافِ ثمانیہ میں سے کسی ایک مصرف پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَكَانَ مِنْ هَدْيِهِ صلي الله عليه وسلم تَخْصِيصُ الْمَسَاكِينِ بِهٰذِهِ الصَّدَقَةِ وَ لَمْ يَكُنْ يَّقْسِمُهَا عَلَى الْأَصْنَافِ الثَّمَانِيَةِ قَبْضَةً قَبْضَةً وَلَا أَمَرَ بِذٰلِكَ وَ لَا فَعَلَهُ أَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَلَا مَنْ بَعْدَهُمْ))

"صدقۂ فطر کی تقسیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ نے اسے صرف مساکین کے ساتھ ہی خاص رکھا اور (قرآن میں مذکور) آٹھ قسموں پر اسے مٹھی مٹھی کر کے تقسیم نہیں کیا اور نہ اس کا حکم ہی دیا اور نہ آپ کے بعد صحابہ و تابعین نے ایسا کیا۔"[1]

[1]زاد المعاد: 1/151-

باب: 6

"طلوع اسلام" کا اشتراکی نظریہ، زکاۃ کا انکار!

ذیل کا مضمون آج سے کئی سال قبل 1979ء کا تحریر کردہ ہے۔ اس کا تعلق بھی اس معنی میں زکاۃ ہی سے ہے کہ اس میں منکرین حدیث کے زکاۃ کے اس خود ساختہ مفہوم کی تردید کی گئی ہے جو وہ امت مسلمہ کے متفقہ مفہوم کے یکسر خلاف بیان کرتے ہیں۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ اسے بھی کتاب میں شامل کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں اس مضمون میں قرآن مجید کی آیت ﴿ الْعَفْوَ﴾ کا بھی صحیح مفہوم اور زکاۃ اور ٹیکس کا فرق بھی واضح کیا گیا ہے۔

حدیث سے انحراف اور قرآن میں تحریف معنوی

مسٹر غلام احمد پرویز کے نظریات کا پرچارک ماہنامہ "طلوع اسلام" جس کا مشن ہی اسلامی مسلمات کا انکار اور ان کی دُور از کار رکیک تاویلات ہے، آئے دن قرآن وحدیث کے خلاف عجیب عجیب شوشے چھوڑتا اور علمائے اسلام کے خلاف جلے دل کے پھپھولے پھوڑتا رہتا ہے۔ علماء اس کو منہ اس لیے نہیں لگاتے کہ جہاں تک اس ٹولے کے نظریات کا تعلق ہے، اس کی حد تک وہ مدلل تغلیط و تردید کر کے ان پر اتمام حجت کر چکے ہیں۔ اب وہ کہاں تک اس ٹولے کا تعاقب کریں جبکہ وہ بار بار انھی باتوں کی جگالی کر رہا ہے جس کا وہ پوسٹ مارٹم متعدد مرتبہ کر چکے ہیں۔

مئی 1979ء کے شمارے میں اس رسالے میں اسلام کی ایک اور مسلمہ عبادت، "زکاۃ" کا صریح انکار کیا گیا ہے اور ستم یہ ہے کہ اس متواتر عبادت کا انکار بھی "زکاۃ کا قرآنی مفہوم" کے خوشنما عنوان سے کیا گیا ہے۔ حدیث کے مأخذِ اسلام اور حجت شرعیہ تسلیم کرنے سے انکار کے پس پردہ اصل چیز اس ٹولے کے نزدیک ہے ہی یہ کہ اس کے بعد قرآن کے جس حکم، قانون اور ہدایت کو جو معنی بھی پہنا دیے جائیں اور اس کی کیسی ہی دُور از کار تاویل رکیک کر لی جائے، اس کی کچھ گنجائش نکل آئے، کیونکہ قرآن کے ساتھ حدیث رسول کو بھی حسب ارشاد الٰہی: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴾ (النحل 44:16) سامنے رکھا جائے تو پھر من مانی کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ حدیث شریف کی رو سے تو صلاۃ (نماز) کا مفہوم بھی متعین ہے اور زکاۃ کی صورت بھی مقرر، جس کی پشت پر امت مسلمہ کا چودہ سو سالہ عملی تواتر بھی موجود ہے۔ ان کا انکار کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ لیکن جب ان مسلمات کا انکار کر دیا گیا تو اس کے بعد اسلام کو مسخ کرنے کا راستہ ان کے لیے کھل گیا۔ اب پرویزی "قرآنی مفہوم" کی رو سے نہ نماز کا مطلب وہ ہے جس پر چودہ سو سال سے مسلمان عمل کرتے آرہے ہیں اور نہ زکاۃ کا وہ مطلب ہے جو مسلمان انفاقِ مال کی ایک متعین صورت سمجھتے آئے ہیں۔ اسی طرح دیگر عقائد اسلامیہ اور مسلمات (جیسے جنت، دوزخ، ملائکہ اور معراجِ جسمانی وغیرہ) کا حال ہے۔ ان کے نزدیک ان کی وہ صورتیں غلط ہیں جن پر مسلمان چودہ سو سال سے ایمان رکھتے اور ان پر عمل پیرا چلے آرہے ہیں اور نام، ان سب خلافِ اسلام وعقائدِ اسلامیہ سرگرمیوں کا "طلوع اسلام" ہے۔ سبحان اللہ! گویا، بر عکس نہند نام زنگی کافور، والا معاملہ ہے۔

بہر حال ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ ماہ مئی 1979ء کے طلوع اسلام میں "زکاۃ" کا قرآنی مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ: "زکاۃ عربی زبان میں نشوونما کو کہتے ہیں لہٰذا "ایتائے زکاۃ" کے معنی ہوں گے سامانِ نشوونما مہیا کرنا اور یہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ کی نشوونما کا سامان فراہم کرے اور یہ سامانِ نشوونما صرف "روٹی، کپڑا، مکان" ہی کو شامل نہیں بلکہ اس میں وہ تمام اسباب وذرائع شامل ہیں جن سے انسانی صلاحیتوں کی نشوونما (Devlopment) ہوتی ہے۔ قرآن کی آیت ﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ ﴾ (الحج 41:22) کا بھی مفہوم یہی ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ جب ان کی حکومت قائم ہو گی تو یہ لوگوں سے زکاۃ لیں گے۔ کہا یہ گیا ہے کہ وہ زکاۃ دیں گے۔ (افرادِ معاشرہ

کی نشو و نما کا سامان فراہم کریں گے۔)" (ملخص) زکاۃ کا یہ خانہ ساز مفہوم جو چودھویں صدی کے غلام احمد پرویز کی ذہنی اُپج کا شاہکار ہے، ظاہر ہے اس مفہوم سے قطعاً مختلف ہے جو قرآن کے شارح اوّل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا اور امت کو سمجھایا، اس کی رو سے آپ نے اس کا نصاب، اس کی شرح اور اس کا وقت بتلایا، تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین، فقہاء و محدثین s نے اس کے مطابق عمل کیا اور اس وقت سے اب تک پوری امت مسلمہ ایتائے زکاۃ پر عمل کر رہی ہے۔ اب جب یہ کہا جائے گا کہ زکاۃ کا تو یہ مطلب ہی نہیں ہے کہ مال جمع ہو، اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ڈھائی فیصد مال نکال دو بلکہ قرآن سے تو اس کا مطلب کچھ اور نکلتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کے لیے ایک تو ان تمام احادیث کا انکار کرنا پڑے گا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ کا نصاب، اس کی شرح، اس کا وقت اور دیگر تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

دوسرے، ذاتی ملکیت کی نفی کرنی پڑے گی کیونکہ طلوعِ اسلامی مفہوم کی رو سے افرادِ معاشرہ کے ایک ایک چیز کی ذمے دار حکومت ہے۔ خود کسی فرد کو فاضل دولت اپنے پاس رکھنے کی اجازت ہی نہیں۔

تیسرے، ملکیت زمین کا بھی انکار کرنا پڑے گا، کیونکہ ملکیت زمین کی صورت میں عشر نکالنے کا مسئلہ پیدا ہو گا۔ چنانچہ "طلوع اسلام" کے اداریہ نویس نے پوری جرأت سے اپنے مذکورہ اداریے میں ان تمام چیزوں کا انکار کیا ہے۔ احادیث کو رد کرنے کے لیے تو ان حضرات کو یہ آسان سا صدری نسخہ مل گیا ہے کہ جس حدیث کو نہ ماننا ہو بغیر کسی ادنی تأمل کے کہہ دیا جائے کہ یہ حدیث وضعی (من گھڑت) ہے۔ یہاں بھی یہی پیٹنٹ فارمولا استعمال کر کے ایسی تمام احادیث کو وضعی قرار دیا گیا ہے جن میں جمع شدہ مال پر زکاۃ نکالنے کا حکم ہے۔ بنابریں ذاتی ملکیت اور زمین کی ملکیت کی نفی کے لیے قرآن کی متعدد آیات میں معنوی تحریف کی گئی ہے، مثلاً:

﴿ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴾

"انسان کو وہی ملے گا جو اس کی سعی ہے اور اس کی سعی ضرور دیکھی جائے گی۔ پھر اس کی پوری جزاء اسے دی جائے گی۔"[1] یہ آیت آخرت کے متعلق ہے کہ وہاں انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے کمایا ہو

[1]النجم 41-39:53-

گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ کسی کا بوجھ دوسرے پر ڈال دیا جائے گا اور یقیناً اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی، پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

قرآن مجید کی یہ آیت جو اپنے سیاق و سباق میں سعی و عمل برائے آخرت کے لیے آئی ہے، اسے "طلوع اسلام" کے اداریہ نویس نے اپنے خالص مادی، دنیوی اور مزعومہ معاشی نظریے پر چسپاں کر کے یہ اشتراکی نظریہ کشید کیا ہے کہ "انسان صرف اسی کا حق دار ہے جس کے لیے وہ محنت کرے۔ اس نظام میں کسی کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی ہر ایک کو اس کے کام کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یعنی اس نظام میں ہر فرد کاسب ہو گا، محنت کش ہو گا، کام کرے گا۔"[1]

یہ وہی خالص کمیونسٹ اصول ہے جس کی رو سے کوئی شخص اپنی محنت کمائی (Earnedincome) کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا اگر اس آیت کا یہی مطلب ہو جیسا کہ اداریہ نویس نے لیا ہے تو احادیث کو تو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیجیے (کہ یہ اس کی حجیت ہی کے منکر ہیں) خود قرآن کے کئی احکام سے یہ آیت ٹکرائے گی۔ جیسے وراثت کا حکم ہے جس کی تفصیلات قرآن میں بھی ہیں کہ ایک شخص کے ترکے میں سے بہت سے افراد حصہ پاتے ہیں اور وہ اپنے حصے کے جائز مالک قرار پاتے ہیں حالانکہ یہ میراث ان کی اپنی محنت کی کمائی نہیں ہوتی حتی کہ ایک شیر خوار بچہ بھی میراث کے مال کا مالک قرار پاتا ہے جبکہ اس کی محنت کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح زکاۃ و صدقات کے احکام ہیں جن کی رو سے ایک آدمی کا مال دوسروں کو محض ان کے شرعی و اخلاقی استحقاق کی بنا پر ملتا ہے اور وہ بھی اس کے جائز مالک سمجھے

[1]ماہنامہ ''طلوع اسلام'' لاہور، مئی 79ء، ص: 2-

جاتے ہیں۔ (بلکہ کئی علماء تو زکاۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک کو شرط قرار دیتے ہیں) حالانکہ اس مال کے پیدا کرنے میں ان کی محنت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس لیے آیت کا ایسا مفہوم جو قرآن ہی کے دیگر احکام و قوانین سے ٹکرائے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور یوں ذاتی و زمینی ملکیت کی نفی کا اثبات، خود قرآن کے متعدد احکام کی نفی کیے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے تو علماء کہتے ہیں حدیث کا انکار، قرآن کے انکار کو بھی مستلزم ہے اور حجیت حدیث کا منکر ٹولہ قرآن کا بھی منکر ہے۔ یہی حال دیگر آیات کا ہے جن سے دجل و تحریف کر کے اداریے میں کام لیا گیا ہے۔ سب کا جائزہ لیا جائے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا، مذکورہ آیت کی وضاحت ہی سے بخوبی اداریہ نگار کے مبلغ علم، اندازِ استدلال اور قرآنی تحریف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مقصد اس کی اس ساری کدو کاوش کا یہ ہے کہ زکاۃ کے اُس مفہوم سے انکار کر دیا جائے جس پر قرآن و حدیث کی روشنی میں آج تک مسلمان عامل چلے آرہے ہیں اس لیے کہ اس مفہوم سے بہر حال ذاتی ملکیت ہی کا اثبات ہوتا ہے جسے اشتراکیت گوارا نہیں کرتی اور ''مفکر قرآن'' ہیں کہ ''قرآنی نظام ربوبیت'' کے عنوان سے اشتراکیت کو اسلامی معاشرے میں نافذ کرانے کے درپے ہیں۔ اس لیے بیچارے مجبور ہیں کہ احادیث صحیحہ کا انکار کیا جائے، تعامل و تواتر امت کو نظر انداز کیا جائے۔ اس سے بھی کام بنتا نظر نہ آئے تو آیات میں معنوی تحریف کر کے مطلب بر آری کر لی جائے۔ اقبال مرحوم نے ایسے ہی ''مفکرین'' کے لیے مختلف موقعوں پر کہا تھا

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں

کس درجہ ہوئے فقیہانِ حرم بے توفیق

احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مفسر

تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند

قرآن کو بازیچۂ اطفال بنا کر

چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

دراصل پرویز اور اس کے فرقے کی تکنیک یہ ہے کہ جب بھی قرآن وحدیث پر مبنی فقہ اسلامی کے نفاذ کی بات ملک میں سامنے آتی ہے تو اسی وقت مسلمانوں کے باہمی علمی اور عملی ذیلی اختلافات کو ہوّا بنا کر ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیتے اور مغالطوں کا انبار لگا دیتے ہیں اور سادہ لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے آڑ، ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی (غلط یا صحیح) لیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ مرحوم، اپنی ساری خوبیوں کے باوجود قرآن فہمی کے لیے کوئی اتھارٹی ہیں نہ اسلام کے لیے۔ وہ خود بھی فہم اسلام کے لیے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے ماہر علماء کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

آخر میں ہم پرویز بٹالوی کو یقین دلاتے ہیں کہ جمہور مسلمان اس کے "افکار عالیہ" کو ان شاء اللہ کبھی ہضم نہ کر سکیں گے جیسا کہ اس کے ہم نام و ہم وطن غلام احمد قادیانی (متصل بٹالہ) کے "الہامات عالیہ" کو اس کے ہزار جتنوں کے باوجود ہضم نہیں کر پائے۔

"نورِ حدیث ہے" "کفر" کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پیٹ کا مسئلہ

واقعہ یہ ہے کہ اشتراکی کوچہ گردوں (جس میں "طلوع اسلام" بھی شامل ہے) کی کاوشوں کی ساری تان پیٹ پر آ کر ٹوٹتی ہے۔ جس طرح بھٹو نے روٹی، کپڑا، مکان کا نعرہ لگایا تھا، اسی طرح "طلوع اسلام" کے نزدیک بھی سب سے زیادہ اہم مسئلہ معاش ہی کا ہے۔ زکاۃ کے مفہوم میں تبدیلی کے پیچھے کار فرما عامل بھی دراصل اس کا یہی ذہن ہے۔

روزگار (معاش) کا مسئلہ بلاشبہ اپنی جگہ اہم ہے، اسلام اس سے ہرگز صرفِ نظر نہیں کرتا تاہم اسلام میں اس کی وہ حیثیت بھی نہیں جو حیثیت آج کل اسے معلوم وجوہ کی بنا پر دے دی گئی ہے۔ مادی واشتراکی ذہن نے پیٹ کے مسئلے ہی کو سب کچھ بنا دیا ہے اور اسی بنیاد پر وہ پورے نظامِ زندگی کا نفاذ کرتا ہے جبکہ اسلام کے نزدیک یہ مسائلِ حیات کا ایک جزو ہے، کل مسئلۂ حیات نہیں۔ وہ اسے مجرد معاشی نقطۂ نظر سے حل نہیں کرتا بلکہ وہ ایمان و اخلاق کے حوالے سے اس کی درستی کا قائل ہے۔ اس لیے اسلام کی نظر میں سرفہرست مسئلہ معاش نہیں، ایمان و اخلاق کی پختگی و درستی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ افرادِ معاشرہ اگر ایمان سے بہرہ ور اور اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں گے تو وہاں مسئلۂ معاش از خود آسان اور فطری طریقے سے حل ہو جائے گا۔ اگر افرادِ معاشرہ ایمان و اخلاق سے بے بہرہ ہوں گے تو وہاں کبھی بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز "روٹی، کپڑا، مکان" کے نعرے سے نہیں کیا، حالانکہ امیر و غریب میں تفاوت اور معاشی ناہمواری اس دَور میں بھی بدترین شکل میں موجود تھی، بلکہ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز، شرک کی واشگاف تردید اور توحید کی تبلیغ سے کیا۔ عقیدے کی پختگی اور درستی کے بعد آپ نے تزکیۂ نفس اور تطہیر اخلاق پر زور دیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ عقیدہ و اخلاق کی درستی نے "پیٹ کے مسئلے" کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا، از خود اس کے حل کی راہیں نکل

آئیں۔ بنابریں آج بھی ہمارے معاشرے کا سب سے اہم مسئلہ روزگار کا مسئلہ نہیں، جس طرح کہ "طلوعِ اسلام" اور دیگر اشتراکی اور آج کے اکثر سیاسی لیڈروں کا خیال ہے۔ بلکہ اصل ضرورت، ایمان و اخلاق کے درست کرنے کی ہے اور اسی پر معاش کی درستی کا انحصار ہے۔ ایمان و اخلاق کی تصحیح کے بغیر مجرد معاشی اصلاح کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

آیت﴿ قُلِ الْعَفْوَ ﴾سے غلط استدلال مسئلہ شکم ہی کو سب کچھ سمجھنے والے قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ "لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ انہیں کہہ دیں جو زائد ہے۔"[1]

﴿ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (النجم 39:53) کی طرح اس آیت سے بھی چونکہ عام طور پر غلط استدلال کیا جاتا ہے۔ "طلوعِ اسلام" نے بھی اپنے مخصوص نظریات کی تائید میں اسے پیش کیا ہے، اس لیے اس کا وہ مفہوم سمجھ لینا چاہیے جو مفسرین امت نے سمجھا اور بیان کیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر و تشریح میں مفسرین کے درمیان گو قدرے اختلاف ہے تاہم مآل سب کا ایک ہے۔ دوسرے، کسی مفسر نے اس آیت سے وہ مطلب اخذ نہیں کیا جو آج کل کے اشتراکی ذہن کے لوگ عام طور پر خام مطالعہ یا مخصوص مقاصد و نظریات کے

[1] البقرة 2:219۔

تحت لیتے ہیں۔ اس آیت کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ابتدائے اسلام میں جبکہ نصابِ زکاۃ کیتعیین نہیں ہوئی تھی، اس وقت یہ حکم دیا گیا تھا کہ زائد مال تقسیم کر دیا جائے جو بعد میں نصابِ زکاۃ کی تعیین کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔

بعض کا خیال ہے کہ آیت مجمل ہے جس کی تفسیر و توضیح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصابِ زکاۃ بیان کر کے فرما دی۔ اس طرح یہ آیت نہ منسوخ ہے اور نہ اس کا تعلق خارج از زکاۃ سے ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک سرے سے اس کا تعلق زکاۃ سے ہے ہی نہیں، صدقاتِ فاضلہ سے اس کا تعلق ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ زائد مال میں سے جتنا بآسانی خرچ کر سکتا ہو، اسے انسانیت کی فلاح و بہبود پر صرف کرنے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ گویا یہ ایک اخلاقی ہدایت ہے، قانونی حکم نہیں۔ اس اخلاقی ہدایت پر عمل کرنا یقینا بہت اجر و ثواب کا کام ہے لیکن قانونی حکم زکاۃ کی ادائیگی ہے جس کا انکار یا اس سے گریز نہایت خطرناک ہے۔

ان میں سے جو مطلب بھی لیا جائے یہ بہر حال واضح ہے کہ اس سے وہ مفہوم کسی طرح بھی اخذ نہیں کیا جا سکتا جو آج کل لوگ اس سے کشید کر کے ذاتی ملکیت ہی کی نفی کے لیے اسے استعمال کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں پوری امت کا تعامل بھی اس آیت سے وہ مفہوم اخذ کرنے میں مانع ہے جو "طلوعِ اسلام" سمیت اشتراکی ذہن کے لوگ کر رہے ہیں یا جیسے بعض حضرات نے شاعرانہ ترنگ میں کیا ہے۔ علاوہ ازیں "ضرورت" کی تعیین بھی کیوں کر ہو گی؟ ہر شخص کی "ضرورت" دوسرے شخص کی "ضرورت" سے مختلف ہے پھر" زائد از ضرورت" کا ایک متعین اور قابل عمل مفہوم کیا ہو گا؟

شرح نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ

آخر میں "طلوعِ اسلام" کے اداریہ نویس نے بعض حضرات کے نامکمل اقتباسات پیش کر کے یہ تأثر دیا ہے کہ یہ حضرات بھی جو نصابِ زکاۃ کے قائل ہیں موجودہ حالات میں اس شرح زکاۃ پر مطمئن نہیں جو چودہ سو سال قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی اور وہ اس میں حالات کے مطابق تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ گویا وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ ہم تو زکاۃ کے اس مفہوم کے پہلے ہی قائل نہیں ہیں جس پر چودہ سو سال سے امت مسلمہ عمل کرتی آرہی ہے۔ (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے) تاہم جو حضرات احادیث رسول کی بنا پر زکاۃ اور اس کے نصاب کے قائل ہیں وہ بھی اب اس میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ امت مسلمہ اس امر پر متفق ہے کہ منصوص احکام میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں اور قرآن ہی کی طرح احادیث صحیحہ بھی اجماعاً حجت شرعیہ ہیں، بنابریں قرآنی احکام کی طرح وہ احکام بھی غیر متبدل ہیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ زکاۃ کا وجوب، نص قرآن سے ثابت ہے اور اس کا نصاب اور دیگر تفصیلات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے نہ زکاۃ کا انکار ممکن ہے نہ اس کے نصاب سے تغافل و اعراض کی کوئی گنجائش۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ چودہ سو سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔ کیا چودہ سو سال کے اس طویل عرصے میں انقلابات نہیں آئے؟ حالات و ظروف میں تبدیلیاں نہیں ہوئیں؟ اور نت نئے تقاضوں نے سر نہیں ابھارا؟ اگر منصوص احکام میں تبدیلی کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو کیا آج تک اسلام کا ہر حکم بدل نہ چکا ہوتا؟ یا اب اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو کیا پورے اسلام کا تیاپانچہ ہو کر نہیں رہ جائے گا؟ اسلام اپنی اصلی حالت میں اب تک موجود صرف اسی لیے ہے کہ ایک طرف اس کے منصوص احکام غیر متبدل ہیں۔ دوسری طرف اس میں اتنی جامعیت ہے کہ منصوص احکام میں تبدیلی کیے بغیر وہ ہر دور کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ نصوص قرآن و حدیث کی یہی وہ ہمہ گیر وسعت ہے جو اس کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام میں تشکیک پیدا کرنے والے اور اس میں قطع و برید کا مشورہ دینے والے اسلام کے خیر خواہ نہیں، اس کے دشمن ہیں۔ وہ اس کے روئے آب دار کو مسخ کرنا چاہتے ہیں اور اس کی جامعیت و ہمہ گیریت کو ختم کر کے در حقیقت اس کو اپنے نفسانی تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔

زکاۃ شرعاً عبادت ہے، ٹیکس نہیں

دراصل ایسے لوگ جو زکاۃ کی شرعی حیثیت میں غلط فہمی یا مغالطے کا شکار ہیں وہ زکاۃ کو ایک قسم کا حکومتی ٹیکس سمجھتے ہیں جس میں حکومتِ وقت کو اپنی ضروریات اور حالات و ظروف کے مطابق کمی بیشی کا حق ہوتا ہے۔ (''طلوع اسلام'' کے اداریہ نویس نے بھی زکاۃ کا خود ساختہ مفہوم اس کو ٹیکس سمجھتے ہوئے ہی بیان کیا ہے) حالانکہ زکاۃ ٹیکس نہیں، عبادت ہے۔ بنابریں اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے زکاۃ کی تعبدی شان کا سمجھنا بڑا ضروری ہے۔

چند امور پر غور کرنے سے زکاۃ کی تعبدی حیثیت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

مختصراً وہ امور درج ذیل ہیں۔

☆ جن پانچ ارکان پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ 'بُنِيَ الْإِسْلَامَ عَلٰی خَمْسٍ' ان میں کلمۂ توحید کے بعد حج، نماز، روزہ اور زکاۃ ہے اور ان چاروں ارکان کی شرعی حیثیت عبادت کی ہے۔ ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاسکتی۔

☆ قرآن میں بیشتر مقامات پر نماز کے ساتھ زکاۃ کا بھی ذکر ہے۔ قرآن بار بار ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ کے ساتھ ﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ کی بھی تلقین کرتا ہے جس سے صاف واضح ہے کہ اس کی نظر میں زکاۃ بھی اسی طرح عبادت ہے جس طرح نماز ہے۔

☆ خلافت صدیقی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سب سے پہلا اجماع، منکرین زکاۃ کے واجب القتل ہونے پر ہوا اور ان سے کافروں کی طرح جنگ کی گئی۔ ان کے مَردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔ اگر زکاۃ کی حیثیت ٹیکس کی ہوتی تو ٹیکس کے انکار سے کوئی مسلمان، کافر اور واجب القتل نہیں ہوتا دراں حالیکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان مانعین زکاۃ کو باجماع واجب القتل قرار دیا اور ان سے جنگ کی۔

☆ زکاۃ صرف مسلمان پر فرض ہے، اسلامی قلمرَو میں بسنے والے کافروں پر نہیں۔ حالانکہ اگر یہ ٹیکس ہوتا تو بلا تفریق مسلم و کافر، اسلامی قلمرو میں بسنے والے ہر شخص پر عائد ہوتا نہ کہ صرف مسلمانوں پر۔ اس سے واضح ہے کہ زکاۃ عبادت ہے جس کا مکلف مسلمان ہی ہے۔

☆ قرآن نے زکاۃ کی وہ مدات بھی بیان کر دی ہیں جہاں زکاۃ صرف کی جائے گی اور وہ آٹھ مصارف ہیں۔ ان کے علاوہ کسی جگہ زکاۃ خرچ نہیں کی جاسکتی اور کسی حکومت کو بھی حتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس میں تبدیلی کا مجاز تسلیم نہیں کیا گیا حالانکہ یہ ٹیکس ہوتا تو اس کے مصارف متعین نہ ہوتے۔ ہر حکومت کو حق حاصل ہوتا کہ وہ اپنی صواب دید اور ضروریات کے مطابق جس طرح چاہے خرچ کرے جس طرح عموماً ٹیکسوں میں ہوتا ہے۔

☆ علاوہ ازیں زکاۃ کے لیے جو شرعی الفاظ مستعمل ہیں وہ بجائے خود اس کی عبادتی شان کے مظہر ہیں۔ زکاۃ، تزکیہ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے کہ زکاۃ، زکاۃ ادا کرنے والے کے جان و مال کی تطہیر کا سبب ہے جس طرح کہ احادیث میں اس کی وضاحت آتی ہے۔ اس کے لیے دوسرا لفظ ''صدقہ'' ہے جو بکثرت زکاۃ کے لیے استعمال کیا گیا ہے:

﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا ﴾

"(اے نبی!) آپ ان کے مالوں سے صدقہ (زکاۃ) لے کر ان کے مالوں کو پاک اور ان کے نفوس کا تزکیہ کر دیں۔"[1]

ظاہر ہے کہ صدقہ اسی کو کہتے ہیں جو محض اللہ کے لیے اور ثواب کی نیت سے ادا کیا جائے اور یہ اجر و ثواب کی نیت ہی اس کے عبادت ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔ ٹیکس کو نہ کسی نے کبھی صدقے سے تعبیر کیا ہے نہ اس کی ادائیگی میں اجر و ثواب کی نیت ہوتی ہے۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ ٹیکس کے لیے عربی زبان میں کوئی لفظ نہ آتا ہو اور الفاظ کی تنگ دامانی کی وجہ سے ٹیکس کو زکاۃ ہی سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔ بلکہ ٹیکس کے لیے عربی میں عام طور پر ضریبہ (جمع ضرائب) بولا جاتا ہے۔ اس سے اجتناب ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ٹیکس (ضریبہ) اور ہے اور زکاۃ اور۔ ☆ بہر حال مذکورہ امور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکاۃ اسی طرح ایک عبادت ہے جس طرح نماز، روزہ، حج اور دیگر عبادات ہیں اور جس طرح عبادت کی ہیئت (کیفیت و کمیت) میں تبدیلی کا کوئی مجاز نہیں، اسی طرح شرحِ زکاۃ میں بھی کمی بیشی کا کسی کو اختیار حاصل نہیں ہے۔ پھر ان سب سے بڑھ کر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ چودہ سو سال سے زیادہ عرصے سے امت مسلمہ زکاۃ ادا کرتی آ رہی ہے۔ بڑے بڑے انقلاب آئے، حالات و ظروف بدلے، لیکن تغیر حالات سے کسی نے یہ استدلال نہیں کیا کہ زکاۃ کی شرح میں تبدیلی کر دی جائے۔ حالات صرف آج ہی نہیں بدلے۔

یہ تو بدلتے ہی آئے ہیں۔

ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

لیکن ان کے ساتھ ساتھ اگر اسلامی احکام کے بھی بدلنے کی اجازت ہوتی، جس طرح کہ آج کل کے متجددین کی سعی اور خواہش ہے، تو مذہب اسلام میں وہ تبدیلیاں کبھی کی رونما ہو چکی ہوتیں جن کے لیے آج یہ متفکرین و متجددین پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔[1]

[1]التوبۃ 103:9- [1] منقول از ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور جلد: 1979,30ء -

باب: 7

زکاۃ کے وہ مسائل جن کا تعلق عورتوں

سے ہے گزشتہ صفحات میں زکاۃ کے ضروری مسائل کا بیان ہوا جس کے مخاطب مرد اور عورتیں دونوں ہی ہیں۔ اب ذیل میں ان مسائل زکاۃ کا بیان کیا جاتا ہے جن کا تعلق خصوصی طور پر عورتوں سے ہے۔

عورتوں کو صدقہ و خیرات کی خصوصی تاکید

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں اہل ایمان و تقویٰ کی ایک صفت اِنفاق فی سبیل اللہ بیان ہوئی ہے جس میں صدقاتِ نافلہ اور صدقاتِ واجبہ (زکاۃ) دونوں شامل ہیں۔ گویا اہل ایمان کی یہ خاص صفت ہے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے صرف زکاۃ ہی ادا نہیں کرتے بلکہ اس کے علاوہ بھی حسب ضرورت و اقتضا خرچ کرتے رہتے ہیں، اس لیے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، برائیاں مٹتی ہیں اور اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بطور خاص کثرت سے صدقہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اس کی وجہ بھی حدیث میں بیان ہوئی ہے، چنانچہ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ اَہْلِ النَّارِ ، فَقُلْنَ: وَ بِمَ يَا رَسُولَ الله! قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَ تَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ))

''اے عورتوں کی جماعت! تم (زیادہ) صدقہ کیا کرو! اس لیے کہ جہنم کے مشاہدے میں میرے سامنے یہ بات آئی ہے کہ وہاں اکثریت عورتوں کی ہے'' عورتوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری (بھی بہت) کرتی ہو۔''[1]

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورتوں کو کثرت سے صدقہ و خیرات کا اہتمام کرنا چاہیے، علاوہ ازیں اس کی جو دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، ان سے بھی بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جو عورت صاحبِ حیثیت ہو، اس کے لیے تو صدقہ کرنے کے حکم پر عمل کرنا مشکل نہیں ہو گا۔ لیکن جو عورت صاحبِ حیثیت نہ ہو، وہ صدقہ کس طرح کرے؟ اس کے پاس تو اپنا مال ہی نہیں ہے، اگر کچھ ہے تو وہ خاوند کا مال ہے جو وہ بیوی کو گھریلو اخراجات کے لیے دیتا ہے، اس اعتبار سے وہ اس کی امانت ہے۔ اس میں سے وہ خرچ کر سکتی ہے یا نہیں؟ نیز اس میں سے وہ خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی بابت دو قسم کی احادیث آتی ہیں جو بظاہر ایک دوسرے کی مخالف ہیں لیکن حقیقت میں ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں، مثلاً: ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا أَنْفَقَتِ الْمرأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِہَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَہَا أَجْرُہَا بِمَا

[1]صحيح البخاري، الحيض، باب ترک الحائض الصوم، حديث: 304۔

أَنْفَقَتْ، وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ، وَ لِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ، لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا))

"جب عورت اپنے گھر کے غلّے سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے، اس سے اس کا مقصد گھر کو برباد کرنا نہ ہو، تو اس کو اس کے خرچ کرنے کا اجر ملے گا، اس کے خاوند کو اس کی کمائی کی وجہ سے اجر ملے گا اور خزانچی کو اس کی مثل ملے گا، کوئی کسی کے اجر کو ذرا بھی کم نہیں کرے گا۔"[1]

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

((إِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَلَهَا نِصْفُ أَجْرِهِ))

"جب عورت (اللہ کی راہ میں) اپنے خاوند کی کمائی سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے تو اس کو اس کا نصف اجر ملے گا۔"[2]

ان احادیث کے برعکس بعض روایات میں بغیر اجازت کے عورت کو خرچ کرنے سے منع کیا گیا ہے، جیسے حجۃ الوداع کے خطبے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُنْفِقُ اِمْرَاَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَلَا الطَّعَامُ قَالَ: ذَاكَ أَفْضَلُ اَمْوَالِنَا))

"کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے، آپ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کھانے پینے کی چیز بھی خرچ

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب من اَمَرَ خادمه بالصدقة ولم يناول بنفسه، حديث: 1425- [2] صحيح البخاري، البيوع، باب قوله ﴿ أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾، حديث: 2066-

نہ کرے؟ آپ نے فرمایا: یہ تو ہمارا بہترین مال ہے۔"[1]

ان احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جن احادیث میں خرچ کرنے کی اجازت ہے، ان میں غیر مُفْسِدَةٍ کے الفاظ بھی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی نیت گھر کا نظام بگاڑنے کی نہ ہو، دوسری بات یہ ہے کہ وہ اتنی مقدار میں خرچ کرے کہ جس سے گھریلو اخراجات پر اس کا خاص اثر نہ پڑے۔ اس طرح کے تھوڑے سے خرچ کے لیے عورت کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے یا خاوند اس کو خرچ کرنے سے روکے بھی، تب بھی وہ اتنی مقدار میں خرچ کرنے کی مجاز ہے جس سے گھریلو بجٹ متاثر نہ ہو۔ اور جن روایات میں خرچ کرنے سے روکا گیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ اتنی زیادہ مقدار میں وہ خرچ کردے کہ اس کی وجہ سے گھریلو بجٹ اس طرح متاثر ہو جائے کہ خاوند کے لیے اس کی تلافی ممکن نہ ہو یا بہت مشکل ہو۔ یا عورت کا مقصد ہی گھر کے نظام کو بگاڑنا اور خاوند کو مشکلات میں ڈالنا ہو۔ اس صورت میں واقعی خاوند اگر عورت کو روکے تو اس کا روکنا بھی جائز ہے اور عورت کو خرچ کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔

درج ذیل حدیث بھی اسی روشنی میں پڑھی جانی چاہیے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

((أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ))

"کون سی عورت سب سے بہتر ہے؟" آپ نے فرمایا:

[1]جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في نفقة المرأة من بيت زوجها، حديث: 670-

((اَلَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَ تُطِيْعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَ لَا تُخَالِفُهُ فِيْ نَفْسِهَا وَ مَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ))

"وہ عورت بہتر ہے جب خاوند اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے، جب اس کو حکم دے، تو اسے بجالائے اور اپنے نفس اور اپنے مال میں خاوند کی ایسی مخالفت نہ کرے جو اس کو ناپسند ہو۔"[1]

بعض راویوں نے "مَالِهَا" کے بجائے "مَالِهِ" روایت کیا ہے یعنی خاوند کے مال میں ناپسندیدہ تصرف نہ کرے۔ حافظ ابن حزم نے اسی "مَالِهِ" کو ترجیح دی ہے۔[2] مال عورت کا ہو یا خاوند کا، خاوند عورت کے مالی تصرف کو اسی وقت ناپسند کرتا ہے جب عورت اعتدال کو اور اپنے گھریلو حالات بالخصوص خاوند کی آمدنی اور کاروبار کو خرچ کرتے وقت ملحوظ نہ رکھے اور فضول خرچی کی حد تک پہنچ جائے یا گھریلو بجٹ زیر و زبر ہو جائے۔

اگر عورت ایسا نہیں کرتی بلکہ صورت حال کو سامنے رکھتی ہے، نیت میں بھی خرابی نہیں ہے، خاوند کی بھی خیر خواہ ہے تو خاوند کی طرف سے اجازت ہو یا نہ ہو، اس کا انفاق فی سبیل اللہ یقیناً باعث اجر ہی ہو گا، اِنْ شَآءَ اللّٰہ۔ اور کوئی بعید نہیں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کے خاوند کو بھی اجر میں برابر کا شریک کرلے۔ واللہ ذو الفضل العظيم۔

عورت اپنے خاوند کو زکاۃ دے سکتی ہے یا نہ دے سکتی ہے؟

عورت اگر مال دار ہے اور اس کا خاوند اتنا غریب ہے کہ مسکین اور فقیر کی تعریف

[1]سنن النسائي، النكاح، باب أي النساء خيرٌ، حديث: 3233- [2] المحلّٰى: 8/316-

اس پر صادق آتی ہے یا غارم کی ذیل میں آتا ہے، یعنی قرآن کریم کے بیان کردہ مصافِ ثمانیہ میں سے کسی مصرف کا وہ مصداق ہے، تو عورت ایسے خاوند کو زکاۃ دے سکتی ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ عید میں عورتوں کو بالخصوص صدقہ و خیرات کی تلقین فرمائی تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا:

((يَا نَبِيَّ اللهِ! إِنَّکَ أَمَرْتَ الْيَوْمَ بِالصَّدَقَةِ وَ كَانَ عِنْدِيْ حُلِيٌّ لِي فَأَرَدْتُّ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِهِ، فَزَعَمَ ابنُ مَسعُودٍ أَنَّهُ وَوَلَدَهُ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ))

"اے اللہ کے پیغمبر! آج آپ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور میرے پاس میرا زیور ہے، میں اس کو صدقہ کرنا چاہتی ہوں تو (میرے شوہر) ابن مسعود کا خیال یہ ہے کہ وہ اور ان کی اولاد میرے صدقے کی، دوسروں کے مقابلے میں، زیادہ حق دار ہے؟۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صَدَقَ ابْنُ مسعودٍ، زَوْجُکِ وَوَلَدُکِ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ))

"ابن مسعود نے سچ کہا ہے، تیرا خاوند اور تیری اولاد تیرے صدقے کی، دوسروں کے مقابلے میں، زیادہ حق دار ہے۔"[1]

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب الزكاة على الاقارب، حديث: 1462-

اس حدیث میں صدقہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عام ہے، اس میں نفلی صدقہ اور زکاۃ (صدقۂ واجبہ) دونوں شامل ہیں اور جب حضرت زینب نے کوئی وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے سوال صدقۂ واجبہ کے متعلق کیا تھا یا نفلی صدقے کے متعلق۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ے بھی تعیین نہیں فرمائی، اس لیے یہاں صدقے کا لفظ دونوں قسموں کو شامل ہو گا۔ علاوہ ازیں ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال کے ذریعے سے پچھوایا:

((أَيُجْزِئُ عَنِّي أَنْ أُنْفِقَ عَلٰى زَوْجِي وَ أَيْتَامٍ لِي فِي حَجْرِيْ؟))

"اگر میں اپنے خاوند اور میری گود میں پرورش پانے والے یتیم بچوں پر (اپنے صدقے کی رقم) خرچ کروں تو کیا یہ مجھے سے کفایت کر جائے گا۔؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ((نَعَمْ، وَلَهَا أَجْرَانِ، أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ)) "ہاں، بلکہ اس صورت میں دگنا اجر ہے، ایک قرابت داری (کا حق ادا کرنے) کا اور دوسرا صدقہ کرنے کا۔"[1]

اس دوسری روایت کے ان الفاظ "مجھے کفایت کر جائے گا" سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت زینب کا سوال صدقۂ واجبہ (زکاۃ) کے بارے میں تھا، اس لیے انہوں نے پوچھا: اس طرح میری زکاۃ ادا ہو جائے گی؟ مسئلہ عام صدقے کا ہوتا تو ان کو یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ میرا یہ خرچ کرنا کفایت کر جائے گا؟ یعنی زکاۃ ادا ہو جائے گی؟

[1]صحيح البخاري، حديث: 1466-

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی جن کی فقاہت مُسلّمہ ہے، واقعہ زینب سے یہی سمجھا ہے کہ یہاں صدقے سے مراد صدقہ واجبہ (زکاۃ) ہی ہے، اسی لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث وہ "باب الزکاۃ علی الا قارب" کے تحت لائے ہیں۔ لیکن احناف کی ہاں، تو عورت خاوند کو زکاۃ نھیں دے سکتی ہے اور حدیث میں جو ذکر ہے یہاں صدقے سے مراد صدقہ نفلیہ ہی۔

خاوند بیوی کو زکاۃ نہیں دے سکتا، والدین اور اولاد کو بھی نہیں دی جاسکتی

البتہ خاوند اپنی بیوی پر زکاۃ کی رقم خرچ نہیں کر سکتا کیونکہ بیوی کے نان نفقہ اور دیگر تمام ضروریات کا ذمے دار خاوند ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ: أَجْمَعُوا عَلٰی أَنَّ الرَّجُلَ لَا يُعْطِيْ زَوْجَتَهُ مِنَ الزَّكَاةِ لِأَنَّ نَفْقَتَهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ فَتَسْتَغْنِيْ بِهَا عَنِ الزَّكَاةِ))

"امام ابن المنذر نے کہا: اس بات پر اجماع ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو زکاۃ نہیں دے سکتا، اس لیے کہ اس کا خرچہ خاوند کے ذمّے ہے، پس وہ اس خرچے کی وجہ سے زکاۃ سے مستغنی ہے۔"[3]

[3] فتح الباري، باب الزكاة على الزوج والأيتام في الحجر: 3/416۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

((وَلَا يَجُوزُ أَنْ تُعْطِيَ مِنَ الزَّكَاةِ مَنْ تَلْزَمُهُ نَفَقَتُهُ وَ ہُمُ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَالزَّوْجَةُ))

"یہ جائز نہیں ہے کہ آدمی اپنی زکاۃ اس کو دے جس کا نفقہ (خرچہ) اس کے ذمّے ہے جیسے ماں باپ ہیں، اولاد ہے اور بیوی ہے۔"[1] یعنی ان تینوں کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے۔

مقروض ہونے کی صورت میں مذکورہ افراد کو زکاۃ دی جاسکتی ہے

بیوی یا والدین یا اولاد اگر کسی وجہ سے مقروض ہو جائیں اور قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھیں تو ان افراد کو زکاۃ دینا جائز ہے، یہ اس وقت غارمین میں شمار ہوں گے۔ اسی طرح اولاد (بیٹی وغیرہ) شادی کے بعد مصارف زکاۃ میں سے ہو جائیں تو اس صورت میں ان کو بھی زکاۃ دی جاسکتی ہے۔[2] اس مسئلے کی کچھ تفصیل اس سے قبل باب چہارم میں بھی گزر چکی ہے۔

زیور میں زکاۃ

زیور (سونے کا ہو یا چاندی کا) اس کی بابت اختلاف ہے، اس کی مختصر تفصیل مشترکہ مسائل میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر مزید مختصراً گفتگو مناسب معلوم ہوتی ہے۔

زیور میں زکاۃ ہے یا نہیں؟ علماء کا ایک گروہ اس کا قائل نہیں لیکن یہ رائے مرجوح

[1]تفسير القرطبي: 8/189- [2] الأمّ، للإمام الشافعي: 2/69-

ہے، اس کے برعکس علماء کی اکثریت زیور میں زکاۃ کی قائل ہے اور یہی رائے راجح اور درست ہے کیونکہ ایک تو قرآن واحادیث میں زکاۃ نہ دینے پر جو سخت وعیدیں آئی ہیں، ان کے عموم میں زیور بھی شامل ہے (یہ احادیث پہلے بیان ہو چکی ہیں) دوسرے، زیور میں زکاۃ نہ دینے پر خصوصی طور پر بھی وعیدیں وارد ہیں۔ جیسے مثلاً:

عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده (عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) والی سند سے یہ واقعہ مروی ہے کہ یمن کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو کڑے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

((أَتُؤَدِّينَ زَكَاةَ هٰذَ؟))

"کیا تو اس کی زکاۃ دیتی ہے؟"

اس نے کہا: لَا، نہیں۔ آپ نے فرمایا:

((اَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللهُ عَزَّوَجَلَّ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ))

"کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دو کڑوں کے بدلے قیامت کے دن آگ کے دو کڑے پہنائے؟۔"

اس عورت نے یہ سُنتے ہی دونوں کڑے اتار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیے اور کہا:

((ہُمَا لِلّٰہِ وَرَسُولِہِ))

"یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں، یعنی فی سبیل اللہ صدقہ ہیں۔"[1]

یہ حدیث محدثین کے نزدیک قابل حجت شمار ہوتی ہے، اس لیے اس حدیث سے

[1]سنن النسائي، الزكاة، باب زكاة الحلي، حديث: 2481-

زیور میں زکاۃ کے واجب ہونے پر علماء نے جو استدلال کیا ہے، وہ صحیح ہے۔ امام نسائی کے علاوہ امام ابوداود نے بھی یہ حدیث زیورات میں زکاۃ کے اثبات کے لیے اپنی سنن میں درج کی ہے (حدیث: 1563) اور اس پر باب باندھا ہے۔

((باب الكنز ما ہو؟ وزكاة الحلي))

"کنز کی تعریف اور زیورات کی زکاۃ کا مسئلہ"

علاوہ ازیں امام بخاری کے نقل کردہ ایک اثر سے بھی استدلال کیا گیا ہے جس میں خالد بن اسلم کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کہیں گئے تو ایک اعرابی (دیہاتی) نے پوچھا: مجھے اللہ کے اس فرمان کی بابت بتلائیں؟

﴿ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّـهِ ﴾

"وہ لوگ جو سونا چاندی سینت سینت کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجیے......"[1]
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((مَنْ كَنَزَہَا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَہَا فَوَيْلٌ لَہُ، إِنَّمَا كَانَ ہٰذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ، فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَہَا اللهُ طُہْرًا لِلْأَمْوَالِ))

[1]التوبة 34:9-

"جس نے سونے چاندی کو سینت سینت کر رکھا اور اس کی زکاۃ ادا نہ کی تو اس کے لیے ہلاکت ہے، لیکن اللہ کا یہ فرمان زکاۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، جب زکاۃ کا حکم نازل ہو گیا تو اللہ نے زکاۃ کو مالوں کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا" یعنی زکاۃ کی ادائیگی کے بعد سونا چاندی جمع کر کے رکھنا ہلاکت کا

باعث نہ رہا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس اثر پر جو باب باندھا ہے، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"جس کی زکاۃ ادا کر دی گئی، وہ کنز نہیں ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ لغت میں کَنز اس خزانے کو کہتے ہیں جو زمین میں دفن کر کے محفوظ کر لیا جائے (جیسے پرانے زمانے میں کیا جاتا تھا) لیکن شرعی احکام کی رُو سے جس مال کی زکاۃ نہ دی جائے، چاہے وہ سونا چاندی ہو یا نقد رقم، وہ کنز ہے اور اس کے لیے وہ سخت وعید ہے جو سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت میں بیان ہوئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب اور اس کے تحت اس اثرِ ابن عمر کے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی زیور میں زکاۃ کے قائل ہیں۔

سونے چاندی کا نصاب

سونے چاندی کا نصاب کیا ہے؟ یعنی ان کی زکاۃ کب اور کس طرح نکالی جائے؟ چاندی کا نصاب تو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ وہ پانچ اوقیہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ)) "پانچ اوقیے سے کم میں زکاۃ نہیں۔"[2]

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا۔ چاندی کا تھا۔ اس اعتبار سے دو سو درہم، چاندی کا نصاب ہوا۔ ایک درہم تقریباً 2.975 گرام چاندی کا ہوتا ہے، اس طرح

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب ما أُدِّيَ زَكاتہ فليس بكنز، حديث: 1404- [2] صحيح البخاري، باب مذكوره،حديث: 1405-

ایک اوقیے کا وزن ایک سو انیس گرام اور پانچ اوقیہ چاندی کا وزن پانچ سو پچانوے گرام ہوا جس کا وزن تولہ کے حساب سے 52/1/2 تولہ ہوتا ہے۔ اس میں چالیسواں حصہ (رُبع العشر) ڈھائی فی صد زکاۃ ہے، یعنی دو سو درہم میں پانچ درہم۔ آج کل گراموں کے حساب سے پانچ درہم کے 612 گرام، 360 ملی گرام وزن ہوگا۔ لیکن اگر زکاۃ چاندی کے بجائے نقدی میں دینی ہو تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی جتنی رقم بنتی ہو (مثلاً: اتنی چاندی 35 ہزار روپے میں آتی ہو تو) ڈھائی فی صد کے حساب سے 35 ہزار میں آٹھ سو پچھتر روپے زکاۃ بنے گی۔ یہ کم از کم نصاب ہے، یعنی اس سے کم چاندی میں زکاۃ عائد نہیں ہوگی۔ اس سے زیادہ جتنی چاندی ہوگی، مذکورہ حساب سے اس کی رقم بنا کر زکاۃ ادا کی جائے گی۔

سونے کا نصاب

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَلَيْسَ عَلَيْکَ شَيْئٌ يَعْنِي فِي الذَّهَبِ، حَتَّى تَكُونَ عِشْرُونَ دِيْنَارًا، فَإِذَا كَانَتْ لَکَ عِشْرُونَ دِيْنَارًا وَ حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ، فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِکَ))

"اور سونے میں تجھ پر کچھ نہیں جب تک کہ وہ 20 دینار نہ ہو جائیں، پس جب وہ 20 دینار ہو جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو ان میں نصف دینار زکاۃ ہے۔ پس جو اس سے زیادہ ہو تو اسی حساب سے زکاۃ ہوگی۔"[1]

[1]سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1573-

اس روایت کو حافظ ابن حجر اور دیگر بعض محققین نے حسن قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے "ارواء الغلیل" میں بعض احادیث و آثار اور ان کے شواہد بیان کیے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سونے کے نصاب کے لیے مذکورہ حدیث صحیح بنیاد ہے۔[1]

اور اس امت کے اہل علم کا اجماع ہے۔ جیسے امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولم يأت في الصحيح بيان نصاب الذهب، وقد جاء ت فيه أحاديث بتحديد نصابه بعشرين مثقالا و هي ضعاف ولكن أجمع من يعتد به في الإجماع على ذلك

"سونے کا نصاب کسی صحیح حدیث میں بیان نہیں ہوا۔ جن احادیث میں 20 مثقال (20 دینار) نصاب کی تحدید ہے، وہ ضعیف ہیں لیکن اس نصاب پر اُن اہل علم کا اجماع ہے جن کے اجماع کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔"[2]

یہ امام نووی رحمہ اللہ کی رائے ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ وغیرہ کو اس سے اتفاق نہیں کیونکہ ان کے نزدیک سونے کے نصاب والی احادیث صحیح ہیں، یہاں امام نووی کی رائے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس نصاب کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں گو اجماع کی وجہ سے۔

علامہ یوسف القرضاوی حفظہ اللہ نے سونے کے نصاب کی تین بنیادیں ذکر کی ہیں:

1. مرفوع احادیث جن کی سندوں پر جرح تو ہوئی ہے لیکن بہر حال ایک دوسری کی تقویت کا باعث ضرور ہیں۔ (اس کے بعد انہوں نے وہ حدیثیں ذکر کی ہیں)

[1]ارواء الغليل، باب زكاة الاثمان، حديث: 292-3:813/289- - [2] شرح صحيح مسلم، الزكاة: 7/53، مكتبة الغزالي، دمشق -

2. اس امر (نصاب) کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخی لحاظ سے بھی یہ ثابت ہے کہ عہد نبوت میں دینار دس درہم میں تبدیل ہوا کرتا تھا (اس اعتبار سے 20 دینار دو سو درہم کے مساوی ہوئے)

3. صحابہ کرام کے عہد سے لے کر (آج تک) امت کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے اور تقریباً اس پر اجماع ہے۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

السنة التي لا اختلاف فيها عندنا، أن الزكاة تجب في عشرين دينارًا عينًا كما تجب في مائتي درهم

"وہ سنت جس میں ہمارے نزدیک اختلاف نہیں ہے۔ یہ ہے کہ زکاۃ 20 دینار (سونے) میں واجب ہے جیسے دو سو درہم (چاندی) میں واجب ہے۔"[2]

بہر حال20 دینار، جس کا وزن ہمارے ملک کے اعتبار سے ساڑھے سات تولہ بنتا ہے، اتنا یا اس سے زیادہ کسی کے پاس سونا ہو، چاہے وہ زیور کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں، سال گزرنے کے بعد اس میں رُبع العشر (چالیسواں حصہ) ڈھائی فی صد (20 دینار میں نصف دینار) زکاۃ ہو گی۔ یا اس کی قیمت لگا کر ڈھائی فی صد رقم ادا کرنی ہو گی، یعنی فی ہزار 25روپے، فی لاکھ ڈھائی ہزار روپے، یہ زکاۃ ہر سال دینی ہو گی۔ ہاں اگر سونے کی مقدار مذکورہ وزن سے کم ہو گی تو پھر زکاۃ نہیں ہو گی۔

ملحوظہ: اس کی کچھ تفصیل اس سے قبل باب دوم میں سونے کے نصاب کے تحت بھی گزر چکی ہے۔

[1]فقہ الزکاۃ، اردو ترجمہ، ادارہ معارف اسلامی، لاہور: 336-1/333- [2] موطأ امام مالک، الزکاۃ، باب الزکاۃ في العین من الذھب والفضۃ، حدیث: 4 بہ تحقیق فؤاد عبدالباقی ۔

عام پیش آنے والے چند اہم مسائل اور ان کا حل

ہر قسم کے جمع شدہ مال اور زیورات پر زکاۃ ہے۔

سوال: بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی یا اپنے بچوں کی شادی کے لیے یا اپنے مکان کی تعمیر کے لیے رقم جمع کر رکھی ہے۔ کیا اس رقم میں بھی زکاۃ عائد ہو گی؟**جواب:** یقیناً اس میں بھی زکاۃ عائد ہو گی بشرطیکہ وہ رقم نصاب کے مطابق یا اس سے زیادہ ہو۔ دوسرے، یہ کہ اس پر سال گزر جائے۔ اس لیے کہ مذکورہ دو شرطوں کے ساتھ ہر جمع شدہ رقم پر زکاۃ ہے چاہے وہ کسی بھی مقصد کے لیے ہو، اس میں کسی بھی رقم کا استثناء نہیں ہے کیونکہ وہ ابھی خرچ نہیں ہوئی ہے، اس کی ملکیت میں ہے۔

اسی سے ملتی جُلتی ایک صورت یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی بچیوں کے لیے زیور بنا کر رکھ لیتے ہیں تاکہ وہ ان کی شادی کے موقعے پر ان کو ہدیہ دے سکیں ۔وہ سمجھتے ہیں کہ یہ زیورات تو بچیوں کو ہدیہ دینے کے لیے بنائے گئے ہیں اس لیے ان میں زکاۃ کی ادائیگی ضروری نہیں۔

لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے، جب تک بچیاں والدین کے گھر میں ہیں، ان کو ہدیہ دینے کی نیت سے بنائے گئے زیور بھی والدین ہی کی ملکیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ ضرورت پڑنے پر ان کو بیچ کر ان کی رقم کاروبار میں یا گھریلو ضروریات میں استعمال کر لی جاتی ہے اور بچیوں سے پوچھنے یا ان سے اجازت لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کیونکہ وہ والد یا والدہ یا دونوں ہی کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں اور واقعۃً وہ ان ہی کی ملکیت ہیں۔

بنابریں وہ سونے کے زیورات، اگر گھر میں موجود دیگر زیورات کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جاتے اس سے زیادہ ہو جاتے ہیں تو ہر سال ان کی زکاۃ ضروری ہے۔ ہاں اگر وہ نصاب (ساڑھے سات تولہ) سے کم ہیں تو پھر زکاۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

زمین اور پلاٹ پر زکاۃ کا حکم

آج کل زمینوں اور پلاٹوں کا کاروبار عام ہے۔ اس سلسلے میں دو سوال بالعموم سامنے آتے ہیں۔

1. جو زمین یا پلاٹ اپنے ذاتی مکان یا کرائے پر دینے کے لیے مکان بنانے کی نیت سے خرید کر رکھا ہوا ہے، کیا اس میں ہر سال زکاۃ ضروری ہو گی؟

2. جو زمین یا پلاٹ بغرض تجارت خرید کر رکھا گیا ہو، اس کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جہاں تک اس پلاٹ کا تعلق ہے جو ذاتی مکان بنانے کے لیے رکھا ہوا ہے، وہ زکاۃ سے مستثنیٰ ہے اور جو کرائے پر دینے کی نیت سے مکان بنانے کی غرض سے رکھا ہوا ہے، اس پلاٹ پر بھی زکاۃ نہیں ہے۔ اور جو پلاٹ بیچنے کے لیے خرید کر رکھا ہوا ہے، اس پر زکاۃ ہو گی کیونکہ اس کی حیثیت سامانِ تجارت کی ہے اور جو چیز تجارت کے لیے ہو، اس پر زکاۃ عائد ہو گی۔ اس کی زکاۃ کا طریقہ یہ ہے کہ چونکہ زمین کی قیمت بالعموم روز افزوں ہوتی ہے

اس لیے ہر سال مارکیٹ ویلیو کے حساب سے اس کی زکاۃ نکالنی ہو گی، اگر کبھی اتفاق سے اس کی قیمت، قیمت خرید سے کم ہو جائے تو زکاۃ بھی اسی حساب سے ہو گی۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ پلاٹ تو لاکھوں یا کروڑوں کا ہوتا ہے لیکن زکاۃ کی ادائیگی کے لیے نقد رقم موجود نہیں ہوتی، ایسی صورت میں وہ پلاٹ جب بھی فروخت ہو، گزشتہ تمام سالوں کی زکاۃ ادا کی جائے۔

شیئرز (حِصَص) میں زکاۃ

مختلف کمپنیوں کے شیئرز خرید کر رکھ لیے جاتے ہیں جن کی قیمت میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے کبھی قیمت کم کبھی زیادہ ہو جاتی ہے، بعض دفعہ قیمت جامد ہو جاتی ہے۔ اس کی حیثیت بھی سامانِ تجارت ہی کی ہے، ان حِصص کی بھی بازار کے بھاؤ (مارکیٹ ویلیو) کے حساب سے زکاۃ کی ادائیگی ضروری ہے۔ سال مکمل ہونے پر ان کی قیمت معلوم کی جائے اور پھر ڈھائی فی صد کے حساب سے زکاۃ ادا کر دی جائے۔ گویا زکاۃ نکالتے وقت قیمتِ خرید کو نہیں بلکہ اس وقت کی قیمتِ فروخت کو دیکھا جائے گا جو قیمتِ خرید سے کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی، یا جامد ہونے کی صورت میں قیمت خرید ہی۔

اس طریقۂ زکاۃ میں نہ مستحقین زکاۃ کا نقصان ہو گا اور نہ صاحبِ مال کا۔ اس لیے کہ حِصص کی قیمت زیادہ ہونے پر زکاۃ کی مقدار بھی زیادہ ہو گی جس میں مستحقین کا فائدہ ہے اور قیمت کم ہونے کی صورت میں زکاۃ کی مقدار کم ہو گی، اس میں صاحبِ مال (شیئرز ہولڈر) کا نقصان زیادہ نہیں ہو گا، اس کو زکاۃ اصل مال سے نکالنی ہو گی جس سے اس کے شیئرز کی قیمت میں کمی کا اس کو زیادہ احساس نہیں ہو گا۔

اس اعتبار سے حِصص (شیئرز) کی حیثیت زیورات کی طرح ہے، زیورات کی زکاۃ نکالتے وقت قیمتِ خرید کو نہیں بلکہ قیمتِ فروخت کو دیکھا جاتا ہے اور پھر زکاۃ نکالی جاتی ہے، شیئرز میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

جہالت کی وجہ سے زکاۃ کی عدم ادائیگی قابل معافی ہے

بہت سی خواتین دینی تربیت یا دینی ماحول کے فقدان کی وجہ سے اس بات سے لاعلم رہتی ہیں کہ ان کے پاس بھاری مقدار میں جو زیورات ہیں، ان پر زکاۃ ضروری ہے، چنانچہ وہ سالہا سال سے زیورات کی مالک تو ہیں لیکن زکاۃ انہوں نے کبھی ادا نہیں کی۔ لیکن پھر ان کو اس مسئلے کا اور اس کی سنگینی کا علم ہو تا ہے اور وہ زکاۃ نکالنے کا عزم کر لیتی ہیں لیکن گزشتہ کئی سال جو انہوں نے زکاۃ ادا نہیں کی، اس کی بابت کیا حکم ہے؟ آیا وہ ان کی بھی زکاۃ نکالیں گی یا آئندہ سے زکاۃ کی ادائیگی کا اہتمام ہی ان کے لیے کافی ہو گا؟

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے ایسے ہی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا: "آپ پر زکاۃ اس وقت سے واجب ہو گی جب سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ زیورات میں زکاۃ واجب ہے، وجوبِ زکاۃ کے علم سے پہلے سالوں کی زکاۃ واجب نہیں ہے کیونکہ احکام شرعیہ علم کے بعد لازم ہوتے ہیں۔"[1]

[1]فتاوی اسلامیہ: 2/124,123، مطبوعہ دار السلام۔

چند اور اہم سوالات اور جوابات

کیا میت کا قرض زکاۃ سے ادا کیا جا سکتا ہے؟

سوال: کیا اس میت کا قرض زکاۃ سے ادا کیا جا سکتا ہے جس نے کوئی مال نہ چھوڑا ہو؟

جواب: ابن عبد البر اور ابو عبید رحمہا اللہ نے ذکر کیا ہے کہ زکاۃ سے میت کا قرض ادا نہ کیا جائے اور اس پر اجماع ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء نے یہی کہا ہے کہ زکاۃ سے میت کا قرض ادا نہ کیا جائے کیونکہ میت تو دار آخرت کی طرف منتقل ہو چکی ہے اور قرض کی وجہ سے اب اسے وہ ذلت اور رسوائی حاصل نہیں ہو گی جو زندوں کو حاصل ہوتی ہے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم زکاۃ سے مُردوں کے قرض ادا نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات سے سرفراز فرمادیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اموالِ غنیمت سے قرض ادا فرمایا کرتے تھے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ زکاۃ سے میت کا قرض ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ میت نے جب لوگوں سے قرض لیا اور وہ اسے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی طرف سے ادا فرمادے گا اور اگر وہ اسے ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، قرض اس کے ذمے باقی رہے گا جو قیامت کے دن اس سے وصول کر لیا جائے گا۔ میرے نزدیک یہ قول زیادہ صحیح ہے کہ زکاۃ سے میت کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرق کیا جائے گا کہ اگر زندہ لوگ فقر یا جہاد یا تاوان وغیرہ کی وجہ سے ضرورت مند ہوں تو پھر زکاۃ سے میت کا قرض ادا نہیں کیا جائے گا اور اگر زندہ لوگ ضرورت مند نہ

ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں کہ ہم ایسے فوت شدگان کے زکاۃ سے قرض ادا کر دیں جنھوں نے اپنے پیچھے کوئی مال نہ چھوڑا ہو۔ دونوں اقوال میں سے یہ آخری قول شاید مبنی بر اعتدال ہے۔

کیا مقروض سے صدقہ ساقط ہو جاتا ہے؟

سوال: کیا مقروض کا صدقہ کرنا صحیح ہے؟ مقروض سے کون کون سے شرعی حقوق ساقط ہو جاتے ہیں؟

جواب: صدقہ کرنا ان امور میں سے ہے جن کا شرعاً حکم دیا گیا ہے اور یہ بندگان الٰہی کے ساتھ احسان ہے، جب کہ درست طریقے سے صدقہ کیا گیا ہو۔ صدقے سے انسان کو ثواب ملتا ہے اور قیامت والے دن ہر شخص اپنے صدقے کے سائے میں ہو گا اور یہ مقبول ہوتا ہے خواہ انسان پر قرض ہو یا نہ ہو بشرطیکہ قبولیت کی شرطوں کے مطابق ہو اور وہ یہ کہ صدقہ اللہ عزوجل کے لیے اخلاص کے ساتھ ہو، حلال کمائی سے ہو اور صحیح جگہ پر صدقہ کیا جائے۔ شرعی دلائل کے تقاضے کے مطابق انھی شرائط کے ساتھ صدقہ مقبول ہو گا۔ اس سلسلہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ انسان پر قرض نہ ہو لیکن اگر قرض اس کے سارے مال کے بقدر ہو تو حکمت اور عقل کا یہ تقاضا نہیں کہ انسان صدقہ کرے، جو کہ مستحب ہے واجب نہیں، اور قرض کو ترک کر دے جو واجب ہے، لہٰذا پہلے واجب کو ادا کرنا چاہیے اور پھر صدقہ کرنا چاہیے۔ اہلِ علم کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو صدقہ کرے اور اس پر اس کے سارے مال کے بقدر قرض ہو۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کے لیے یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں صاحب قرض کا نقصان ہے اور واجب قرض کی صورت میں اپنے ذمے کو باقی رکھنا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔ بہر حال جس انسان کے ذمے اس کے اپنے سارے مال کے بقدر قرض ہو، اسے صدقہ نہیں کرنا چاہیے حتی کہ وہ اپنے قرض کو ادا کر دے کیونکہ واجب نفل سے مقدم ہے۔ جہاں تک ان حقوق شرعیہ کا تعلق ہے، جو مقروض کے لیے معاف ہیں، ان میں سے ایک تو حج ہے۔

مقروض انسان پر حج واجب نہیں حتی کہ وہ اپنے قرض کو ادا کر دے۔ زکاۃ کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے کہ یہ مقروض سے ساقط ہے یا نہیں؟ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ قرض کے مقابل زکاۃ ساقط ہو جائے گی خواہ مال ظاہر ہو یا ظاہر نہ ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ قرض کے مقابل زکاۃ ساقط نہیں ہو گی بلکہ اسے اپنے سارے مال کی زکاۃ ادا کرنا ہو گی، خواہ اس پر قرض ہو، جو نصاب کو کم کرتا ہو۔

بعض نے اس میں فرق کیا ہے اگر مال کا تعلق اموال باطنہ سے ہو جو نہ نظر آتے اور نہ دیکھے جا سکتے ہوں، مثلاً نقدی اور سامان تجارت وغیرہ تو قرض کے مقابل مال سے زکاۃ ساقط ہو جائے گی اور اگر مال کا تعلق اموال ظاہرہ مثلاً مویشیوں اور زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار سے ہو تو زکاۃ ساقط نہیں ہو گی۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ زکاۃ ساقط نہیں ہو گی، خواہ مال ظاہر ہو یا غیر ظاہر۔ جس کے ہاتھ میں بھی اس قدر مال ہو جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے تو اس میں زکاۃ واجب ہو گی۔ اسے اپنے مال کی بہر صورت زکاۃ ادا کرنی چاہیے خواہ اس کے ذمہ قرض ہو کیونکہ زکاۃ مال میں واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾

"ان کے مال میں سے زکاۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے، اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔"[1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجتے ہوئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((أَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَ تُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ))

"انہیں معلوم کرادو کہ اللہ نے ان کے مالوں میں زکاۃ کو فرض قرار دیا ہے۔

[1]التوبة 103:9-

جسے ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے فقیروں میں تقسیم کیا جائے گا۔"[1]

صحیح بخاری میں یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ ہے۔ بہر حال کتاب و سنت کی دلیل سے معلوم ہوا کہ زکاۃ اور قرض میں تعارض نہیں کیونکہ قرض کسی آدمی کے ذمے واجب ہے اور زکاۃ مال میں واجب ہے یعنی ہر ایک کے وجوب کا اپنا اپنا مقام ہے، لہٰذا ان میں تعارض اور تصادم نہیں ہے۔ قرض مقروض کے ذمے واجب ہے لیکن زکاۃ مال میں واجب ہے، جو اسے ہر حال میں ادا کرنی ہو گی۔

زکاۃ میں تاخیر کرنے والا گناہ گار ہے

سوال: ایک شخص نے چار سال تک زکاۃ ادا نہیں کی، اس کے لیے کیا لازم ہے؟

جواب: یہ شخص زکاۃ ادا کرنے میں تاخیر کی وجہ سے گناہ گار ہے کیونکہ آدمی پر واجب ہے کہ وہ وجوب زکاۃ کے بعد فوراً ازکاۃ ادا کرے اور اس میں تاخیر نہ کرے کیونکہ واجبات کے بارے میں اصول یہ ہے کہ انہیں فوراً ادا کیا جائے۔ اس شخص کو اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرنی چاہیے اور گزشتہ سالوں کی زکاۃ فوراً ادا کرنی چاہیے۔ اس سے زکاۃ ساقط نہیں ہو گی بلکہ اسے توبہ کرنی اور فوراً زکاۃ ادا کرنی چاہیے تاکہ تاخیر کی وجہ سے وہ مزید گناہ گار نہ ہو۔

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث: 1390، و صحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، حديث: 19-

نصف سال چرنے والے جانوروں پر زکاۃ کا مسئلہ

سوال: کیاان مویشیوں میں بھی زکاۃ واجب ہے جو نصف سال تک گھاس چرتے ہیں؟

جواب: وہ مویشی جو پورا نصف سال گھاس چرتے رہے ہوں، ان میں زکاۃ نہیں ہے کیونکہ مویشیوں میں زکاۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب وہ ایک سال مکمل یا نصف سال سے زائد عرصے تک گھاس چرتے رہے ہوں اور جو سال کا کچھ حصہ یا نصف سال تک چرتے رہے ہوں تو ان میں زکاۃ نہیں ہے الا یہ کہ وہ تجارت کے لیے ہوں تو ان کے لیے سامان کی زکاۃ کا حکم ہوگا اور اگر وہ سامان تجارت ہیں، تو ہر سال ان کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا اور پھر ان کی کل مالیت کی ڈھائی فی صد کے حساب سے زکاۃ ادا کی جائے گی۔

کیا زکاۃ دیتے وقت بتانا واجب ہے کہ یہ زکاۃ ہے؟

سوال: انسان جب کسی مستحق کو زکاۃ دے تو کیا اسے یہ بتانا واجب ہے کہ یہ زکاۃ ہے؟

جواب: جب انسان کسی مستحق کو زکاۃ دے اور وہ مستحق ایسا ہو جو زکاۃ کو رد کر دیتا اور قبول نہ کرتا ہو تو ایسے مستحق کو بتانا واجب ہے کہ یہ زکاۃ ہے تاکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت اسے رد کرے اور اگر مستحق کی عادت یہ ہو کہ وہ زکاۃ لے لیتا ہو تو بہتر یہ ہے اسے نہ بتایا جائے کیونکہ اس میں ایک طرح سے احسان دھرنے کا پہلو بھی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ ﴾ [1] البقرة 246:2-

"اے مومنو! اپنے صدقات (وخیرات) احسان دھرنے اور ایذا دینے سے برباد نہ کر دینا۔"[1]

کیا زکاۃ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے؟

سوال: ایک جگہ سے دوسری جگہ زکاۃ منتقل کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: مصلحت کے پیش نظر انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ زکاۃ منتقل کر سکتا ہے۔ اگر انسان کے مستحق رشتہ دار کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں، تو ان کی طرف زکاۃ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح انسان کے اپنے شہر کے لوگوں کی مالی حالت بہت اچھی ہو اور وہ کسی دوسرے ایسے شہر میں زکاۃ

بھیج دے جہاں کے باشندے زیادہ فقیر ہوں تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر ایک شہر سے دوسرے شہر میں زکاۃ بھیجنے میں ایسی کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر نہ بھیجی جائے۔

دوسرے شہر میں رہنے والے اہل خانہ کے صدقۂ فطر کی ادائیگی

سوال: ایک شخص مکہ میں ہو اور اس کے اہل خانہ ریاض میں، تو کیا وہ ان کی طرف سے مکہ میں صدقۂ فطر ادا کر سکتا ہے؟

جواب: انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کی طرف سے بھی صدقۂ فطر کسی ایسے شہر میں ادا کرے، جہاں وہ اس کے ساتھ نہ ہوں، لہٰذا اگر وہ مکہ میں ہو اور اس کے اہل خانہ ریاض میں تو یہ جائز ہے کہ وہ ان کی طرف سے مکہ میں صدقۂ فطر ادا کر دے لیکن افضل یہ ہے کہ انسان صدقہ اسی جگہ ادا کرے، جہاں وہ ادا کرنے کے وقت موجود ہے، لہٰذا انسان اگر صدقۂ فطر کے وقت مکہ میں ہو تو وہ مکہ میں ادا کرے اور اگر ریاض میں ہو تو ریاض میں ادا کرے اور اگر بعض افراد مکہ میں ہوں اور بعض ریاض میں تو جو ریاض میں ہوں وہ ریاض میں ادا کر دیں اور جو مکہ میں ہو وہ مکہ میں ادا کر دیں کیونکہ صدقۂ فطر بدن کے تابع ہے۔

کیا مقروض کو زکاۃ دینا افضل ہے یا اس کے قرض خواہ کو؟

سوال: کیا یہ افضل ہے کہ انسان مقروض کو زکاۃ دے تاکہ وہ خود اپنا قرض ادا کر لے یا انسان خود صاحب قرض کے پاس جا کر اس کی طرف سے قرض ادا کر دے؟

جواب: حالات مختلف ہو سکتے ہیں۔ اگر مقروض اپنے قرض کو ادا کرنے اور بریٔ الذمہ ہونے کا خواہش مند ہو اور قرض ادا کرنے کے لیے جو دیا جائے، اس میں امین ہو تو ہم اسے دیں گے تاکہ وہ خود اپنا قرض ادا کرے کیونکہ اس میں اس کی ستر پوشی بھی ہے اور اسے قرض کے طلب گاروں کے سامنے شرمندگی سے بچانا بھی ہے۔ اگر مقروض فضول خرچ اور لوگوں کے مال ضائع کرنے والا ہو اور ہم اسے قرض ادا کرنے کے لیے مال دیں اور وہ اس سے غیر ضروری اشیا خرید لے تو ہم اسے نہیں دیں گے بلکہ اس کے صاحب قرض کے پاس جا کر اس سے پوچھیں گے کہ فلاں شخص سے آپ کو کتنا قرض لینا ہے، پھر ہم یہ سارا قرض یا اس کا جتنا حصہ ممکن ہو، اسے دے دیں گے۔

ہر ہاتھ پھیلانے والا شخص زکاۃ کا مستحق نہیں

سوال: کیا ہر وہ شخص جو زکاۃ کے لیے ہاتھ پھیلائے، اس کا مستحق ہے؟

جواب: ہر وہ شخص جو زکاۃ کے لیے ہاتھ پھیلائے وہ اس کا مستحق نہیں ہے کیونکہ بعض لوگ مال کے لیے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں، حالانکہ وہ غنی ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ جب قیامت کے دن آئیں گے، تو ان کے چہرے پر گوشت کی بوٹی تک نہ ہو گی۔ وہ قیامت کے دن، جب سب گواہ کھڑے ہوں گے، اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے کی ہڈیاں نظر آ رہی ہوں گی۔ والعیاذ باللہ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ))

"جو اپنے مال میں اضافے کے لیے لوگوں سے ان کے اموال کا سوال کرے، تو وہ آگ کے انگارے کا سوال کرتا ہے، اب اس کی مرضی ہے کہ کم کرے یا زیادہ۔"[1] اس مناسبت سے میں ان لوگوں کو تنبیہ کرتا ہوں جو لوگوں سے چمٹ کر سوال کرتے ہیں، حالانکہ وہ دولت مند ہوتے ہیں بلکہ میں ہر اس شخص کو تنبیہ کرتا ہوں، جو مستحق زکاۃ نہ ہو مگر زکاۃ قبول کر لے اور میں اس سے کہتا ہوں کہ تو نے زکاۃ لے لی، حالانکہ تو اس کا مستحق نہ تھا، لہٰذا تو حرام کھاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ))

"جو شخص عفت اختیار کرے اللہ اسے عفت عطا فرما دے گا اور جو شخص بے نیازی اختیار کرے، اللہ اسے بے نیاز کر دے گا۔"[2]

لیکن جب کوئی شخص آپ کی طرف ہاتھ پھیلائے اور آپ کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ مستحق ہے اور آپ اسے زکاۃ دے دیں تو آپ کی زکاۃ ادا ہو جائے گی اور آپ بریٔ الذمہ ہو جائیں گے اور اگر بعد میں معلوم ہو کہ یہ زکاۃ کا مستحق نہیں تھا، تو زکاۃ دوبارہ ادا نہیں کیجائے گی۔ اس کی دلیل اس شخص کا قصہ ہے جس نے مال صدقہ کرنا چاہا تو پہلے ایک زانی عورت کو دے دیا۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات ایک

[1]صحيح مسلم، الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، حديث: 1041- [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، حديث: 1427، و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل التعفف والصبر، حديث: 1053و اللفظ له۔

زانی عورت کو صدقہ دے دیا گیا ہے۔ اس نے کہا الحمد للہ، پھر اس نے دوسری رات صدقہ کیا تو صدقہ ایک چور کے ہاتھ پر رکھ دیا گیا۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات ایک چور کو صدقہ دے دیا گیا ہے، پھر اس نے تیسری رات ایک دولت مند آدمی کو صدقہ دے دیا۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات ایک دولت مند کو صدقہ دے دیا گیا ہے۔ اس نے زانی عورت، چور اور دولت مند کو صدقہ دیے جانے پر الحمد للہ کہا۔ تب اس سے کہا گیا کہ تیرا صدقہ قبول ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مال کی وجہ سے جو تو نے زانی عورت کو دیا ہے، وہ زنا سے باز آ جائے، ہو سکتا ہے کہ چور اس مال کی وجہ سے چوری کو ترک کر دے اور ہو سکتا ہے کہ دولت مند شخص نصیحت حاصل کر کے خود بھی صدقہ کرنا شروع کر دے۔[1]

بھائی! دیکھو! اگر نیت صادق ہو تو اس کے کیسے ثمرات مرتب ہوتے ہیں، لہٰذا اگر آپ کسی شخص کو زکاۃ دے دیں جو آپ سے سوال کرے اور اسے دے دینے کے بعد معلوم ہو کہ وہ تو دولت مند تھا، جسے آپ نے فقیر سمجھا تھا تو اس صورت میں زکاۃ دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

[1]صحيح البخاري، الزكاة، باب إذا تصدق على غنى و هو لا يعلم، حديث: 1421-

کیا طالب علم کو زکاۃ دی جاسکتی ہے؟

سوال: طالب علم کو زکاۃ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: وہ طالب علم جس نے اپنے آپ کو شرعی علم کے حصول کے لیے مصروف کر رکھا ہو، اسے زکاۃ دی جاسکتی ہے، خواہ وہ کمانے پر قادر بھی ہو کیونکہ شرعی علم کا حاصل کرنا جہاد فی سبیل اللہ کی ایک قسم ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے مصارف زکاۃ میں قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّـهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّـهِ ۗ وَاللَّـهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾

"صدقات (یعنی زکاۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنانِ صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلبی منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے) یہ حقوق اللہ کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔"[1]

اگر کوئی طالب علم دنیوی علم کے حصول میں مشغول ہو تو اسے زکاۃ نہ دی جائے، اس سے ہم کہیں گے کہ اب تم دنیا کے لیے کام کر رہے ہو اور اس سے تم دنیا کمانے کے لیے ملازمت بھی حاصل کر لو گے، لہٰذا تمہیں زکاۃ نہیں دیں گے۔

شادی کے لیے زکاۃ سے مدد کرنا؟

اگر ہم کوئی ایسا شخص دیکھیں جو کھانے پینے اور رہائش کے اخراجات کے لیے تو کمائی کر سکتا ہے اور اسے شادی کی ضرورت ہو اور شادی کے اخراجات کے لیے اس کے پاس رقم نہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا شادی کے لیے اسے زکاۃ دینا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں اسے شادی کے لیے زکاۃ دینا جائز ہے۔ زکاۃ سے مہر کے لیے ساری رقم اسے دی جاسکتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ فقیر کو شادی کے لیے رقم دینا اور بہت زیادہ رقم دینا کس طرح جائز ہے؟

ہم کہیں گے اس لیے کہ بسا اوقات انسان کو شادی کی ضرورت بھی کھانے پینے کی ضرورت کی طرح بہت شدید ہوتی ہے۔ اسی لیے اہل علم نے کہا ہے کہ جس پر کسی شخص کا نفقہ لازم ہو تو اسے اس کی شادی کے اخراجات بھی برداشت کرنے چاہئیں بشرطیکہ مالی طور پر وہ استطاعت رکھتا ہو، مثلاً باپ کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی

[1]التوبة 9:60-

شادی کا بندوبست کرے، جب بیٹے کو شادی کی ضرورت ہو لیکن اس کے پاس شادی کے لیے اخراجات نہ ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ بعض باپ جو جوانی کے دور کی اپنی حالت کو بھول گئے ہیں، ان کا بیٹا جب ان سے شادی کے لیے کہتا ہے تو وہ اسے جواب دیتے ہیں کہ اپنی پیشانی کا پسینہ بہاؤ یعنی خوب محنت کر کے کماؤ اور شادی کر لو۔ یہ جائز نہیں بلکہ اگر اسے اس کی شادی کے اخراجات برداشت کرنے کی قدرت ہو تو پھر اس کا یہ طرز عمل حرام ہے۔ اگر مالی استطاعت کے باوجود وہ اپنے بیٹے کی شادی پر خرچ نہیں کرتا، تو اس کا بیٹا روز قیامت اس سے جھگڑا کرے گا۔

کیا غیر شادی شدہ اولاد کی شادی کے اخراجات کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص کے چند بیٹے ہوں، ان میں سے بعض شادی کی عمر کو پہنچ گئے ہوں اور ان کی اس نے شادی کر دی ہو اور کچھ بیٹے چھوٹے ہوں تو کیا اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹوں کی شادی کے مہر کے لیے کچھ مال کی وصیت کرے کیونکہ اس نے اپنے بڑے بیٹوں کی شادی پر مال خرچ کیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب آدمی اپنے بڑے بیٹوں کی شادی پر خرچ کرے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں کے لیے وصیت کرے، البتہ یہ واجب ہے کہ جب ان میں سے کوئی شادی کی عمر کو پہنچ جائے، تو اس کی شادی پر بھی اسی طرح خرچ کرے جس طرح اس نے پہلے بیٹے کی شادی پر خرچ کیا تھا۔ اپنی موت کے بعد کے لیے وصیت کرنا حرام ہے اور اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

((إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ))

"بے شک اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔"[1]

صدقۂ جاریہ وہ ہے جسے انسان خود اپنی طرف سے دے

سوال: کیا صدقۂ جاریہ وہ ہے جسے انسان نے خود اپنی زندگی میں کیا ہو، یا صدقۂ جاریہ وہ بھی ہے، جو اس کی وفات کے بعد اس کی طرف سے اس کے وارث کریں؟

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:

((إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ))

"سوائے صدقۂ جاریہ کے۔"[2]

سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ جاریہ وہ ہے جسے انسان خود اپنی طرف سے کرے اور وہ صدقۂ جاریہ نہیں ہے، جو اس کے بعد اس کی طرف سے اس کی اولاد کرے کیونکہ اولاد کے حوالے سے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَہُ))

"نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔"[3]

[1]سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، حديث: 2870، و جامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية لوارث، حديث: 2120- [2] صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثوب بعد وفاته، حديث: 4223، (14)1631- [3] صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثوب بعد وفاته، حديث: 4223، (14)1631-

میت نے اگر کوئی وصیت کی ہو تو وہ صدقۂ جاریہ ہو سکتی ہے یا اس نے کوئی چیز وقف کر دی ہو اور اس کی موت کے بعد اس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو تو وہ صدقۂ جاریہ ہے۔ اسی طرح علم بھی اس کی کمائی ہے، لہٰذا علم نافع بھی صدقۂ جاریہ ہے۔ اسی طرح جب اس کی اولاد اس کے لیے دعا کرے، تو اس کا بھی اسے فائدہ ہوتا ہے۔ اگر ہم سے پوچھا جائے کہ اگر میں اپنے والد کی طرف سے دو رکعت نماز پڑھوں تو یہ افضل ہے یا اپنی طرف سے دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے والد کے لیے دعا کروں تو یہ افضل ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ افضل یہ ہے کہ اپنی طرف سے دو رکعت نماز پڑھو اور اپنے والد کے لیے دعا کرو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

((أَوْ وَلَدٍ صَالَحٍ يَدْعُو لَہُ))

"یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔"[1]

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یا نیک اولاد جو اس کی طرف سے نماز پڑھے یا کوئی دوسرا نیک کام کرے۔

[1]صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثوب بعد وفاته، حديث: 4223، (14)1631-

زکاۃ کے فوائد

۱)زکاۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن، اور اس کی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے۔

۲)مال کو دوسروں کے حق سے پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔

۳) فقراء اور محتاجوں سے ہمدردی اور ناداروں کی ضرورتوں کو پوری کرنے کا ایک بہانہ ہے۔

۴) مال میں برکت اور اس کے بڑھنے کا سبب ہے، اور اس کی خیر اور برکتوں سے سب سے پہلے فائدہ اٹھانے والا خود زکاۃ ادا کرنے والا ہے۔

۵) مال اللہ کا ہے، اور بندہ صرف مال کے حقیقی رب اور مالک کے حکم کے مطابق اسے خرچ کرنے والا ہے، اور زکاۃ کا ادا کرنا گویا مال کی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔

۷)اس سے معاشرے کے تمام طبقوں کے ساتھ انسان کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

۸)غربت اور فقیری کو دور کرنے میں مدد کرنا ہے، جس سے ایک دنیا پریشان ہے ۹)دلوں میں حسد وبغض کی جگہ ہمدردی اور رحم دلی پیدا کرنے کا سبب ہے۔

۱۰)اس سے دل کی کدورتیں اور انتقامی جذبہ دور ہوتا ہے اور محبت حاصل ہوتی ہے۔

۱۱) دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہر اس شخص کے لئے ہے جو اپنے نفس کا (بخیلی اور حرص جیسے کمینہ اوصاف سے) تزکیہ کرتا ہے، اور اسے عبادت اور تقویٰ سے مزین رکھتا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

دعاگو:ابوعطاء المنعم رضاءالله بن الحاج خان بادشاه بن محمدرسول باجوری حفظہ الله ورعاه وجعل الجنۃ مثواه

27 ذوالحجۃ 1446 :2 2جون 2025یوم الاثنين الساعۃ الثالثۃ تمامًا بعدالظهر

مؤلف کے دیگر تالیفات

(1) کتاب الحجامۃ پښتو .... مطبوع
(2) حوارات المسلم عربی .... مطبوع
(3) حوارات النسوة عربی .... مطبوع
(4) حوارات ابناءالاسلام .... غیرمطبوع
(5) حوارات بنات الاسلام عربی .... مطبوع
(6) حدیقۃالمسلم عربی .... غیرمطبوع

(7) حدیقۃالنسوۃ عربی .... غیرمطبوع
(8) تذکرۃ بیاد شیخ اردو .... مطبوع
(9) اتحادالامت پښتو.......................... مطبوع
(10) معارف الاحوال لاصلاح عمل الاطفال پښتو مطبوع
(11) اسان اصول فقه پښتو .... غیرمطبوع
(12) لغۃ الاطفال عربی .... مطبوع
(13) میزان الصرف عربی .... مطبوع
(14) صرف بهائی عربی .... غیرمطبوع
(15) مه غمژن کیګه .... غیرمطبوع
(16) اسلامی نغمے پښتو .... غیرمطبوع
(17) دعوت الی الله غیرمطبوع
(18) روضۃ الاطفال مطبوع
(19) پښتو ترجمہ اسان مونځ مطبوع
(20) ماحکم المیراث فی الاسلام مطبوع
(21) اَلْمُکَالَمَۃُ بَیْنَ یَدَیکَ غیرمطبوع
(22) اسانه طریقه دقرآن مجیددحفظ مطبوع
(23) علم القرآن غیرمطبوع
(24) اهل القرآن ورجال القرآن غیرمطبوع
(25) پرسکون گهرانہ اورحقوق نسواں غیرمطبوع
(26) المکالمہ بین النساء غیرمطبوع
(27) څلویښت دعاګانی اوڅلویښت حدیثونہ مطبوع
(28) عظمت قرآن بزبان قرآن غیرمطبوع
(29) الجرح والتعدیل وظوابط التحقیق والتخریج غیرمطبوع
(30) اصول الحدیث فی حدیث الرسول غیرمطبوع
(31) توحید باری تعالٰی سےمتعلقہ شکوک وشبہات کاازالہ غیرمطبوع
(32) پښتوترجمہ رہنمائے اساتذہ مطالعۂ قرآنِ حکیم غیرمطبوع
(33) پښتو ترجمہ مطالعۂ قرآنِ حکیم جلد اول غیرمطبوع

(34) پښتو ترجمہ مطالعۂ قرآنِ حکیم جلد دویم غیرمطبوع
(35) پښتو ترجمہ خیرالاصول فی حدیث الرسول مطبوع
(36) فتنوں میں مؤمن کاکردار غیرمطبوع
(37) نورالقرآن غیرمطبوع
(38) فکری جنگ غیرمطبوع
(39)اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت (39)

(40) جہنم کابیان اوراللہ سےمحبت کیوں اورکیسے

(41) اصول الفقہ فی علوم الفقہ

(42) مؤمن کی نمازاورطہارت کے مسائل واحکام

43)نماز کا مسنون طریقہ اوراس کے احکام و مسائل

(44)زکاۃ کے فرضیت اور فضائل واحکام

فہرست

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
1	مقدمۃ	2
2	زکوٰۃ کی تعریف	4
3	☆زکوٰۃ کی فرضیت واہمیت	5
4	☆فرضیت زکوٰۃ کی حکمتیں اور فوائد	6
5	☆زکوٰۃ کس پرواجب ہے؟	7
6	سونے کانصاب	8
7	وضاحت:	9
8	☆سامان تجارت :	10

9	ان آٹھ مصارف کی تفصیل درج ذیل ہے:	11
10	☆عامل زکوٰۃ:	12
11	ارفع واعلیٰ اقدار کی آبیاری:	13
12	ایک قدم اور آگے:	15
13	زکاۃ ایک مثالی معاشی نظام کی بنیاد:	19
14	نیت کے مسائل	25
15	زکاۃ کی فرضیت	26
16	زکاۃ کی فضیلت	27

17	مسئلہ نمبر:10 زکاۃ ادا کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔	29
17	زکاۃ کی اہمیت	29
18	مسئلہ نمبر:14 جس مال سے اللہ تعالی کا حق ادا نہ کیا جائے وہ مال تباہ وبرباد ہوجاتا ہے۔	31
19	مسئلہ نمبر:16 زکاۃ ادا نہ کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔	34
20	1. اونٹ	35
21	بکریاں	36
22	3. گھوڑے	37
23	کوئی جبر یا حیلہ نہ کیا جائے	38

24	سال کے دوران میں ہونے والے بچوں کا حکم	40
25	سونا، چاندی اور نقدی کا نصاب	41
26	سونے کا نصاب	42

27	جواہر میں زکاۃ نہیں	43
28	رکاز(دفینے) میں خمس(پانچواں حصہ) ہے	44
29	زیور کی زکاۃ	45
30	ملِ تجارت میں زکاۃ کی ادائیگی کا طریقہ	46
31	مُنجمد یاڈوبی ہوئی رقم کا حکم	47

32	مصافِ زکاۃ کا بیان	48
33	1. فقراء	49
34	متعفف(سوال سے گریزاں) علماء وطلبائے علوم دینیہ	50
35	4. موکلفۃ القلوب اوراس کے اطلاقات	53
36	گردن چھڑانا	54
37	7. فی سبیل اللہ	55
38	مدرسے کی تعمیر اور تنخواہوں پر زکاۃ؟	56
39	ہسپتالوں اوران کی مشینریوں پر زکاۃ لگ سکتی ہے؟	57

40	وہ افراد، جن کے لیے زکاۃ جائز نہیں 1. آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم	58
41	3. غیر مسلم	60
42	4. فسق وفجور یابدعت کا مرتکب	61
43	5. والدین اوراولاد	62
44	8. صحت منداورکمانے کے قابل شخص	63

45	اس نقطہ ٔنظر کی اہمیت وضرورت	67
46	صدقۃ الفطر کے مسائل	68
47	. صدقہ ٔفطر کس پر فرض ہے؟	69

48	5. صدقہ ٔفطر کس جنس سے ادا کیا جائے؟	70
49	7. اگر قیمت دی جائے تو کتنی؟	71
50	’’طلوع اسلام‘‘ کا اشتراکی نظریہ،زکاۃ کا انکار!	72
51	پیٹ کا مسئلہ	75
52	شرح نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ	77
53	زکاۃ شرعاً عبادت ہے، ٹیکس نہیں	78
54	زکاۃ کے وہ مسائل جن کا تعلق عورتوں	80
55	عورت اپنے خاوند کو زکاۃ دے سکتی ہے یا نہ دے سکتی ہے؟	83

56	خاوند بیوی کو زکاۃ نہیں دے سکتا، والدین اور اولاد کو بھی نہیں دی جاسکتی	84
57	مقروض ہونے کی صورت میں مذکورہ افراد کو زکاۃ دی جاسکتی ہے	85
58	سونے چاندی کا نصاب	87
59	سونے کا نصاب	88
60	عام پیش آنے والے چند اہم مسائل اور ان کا حل	90
61	شیئرز (حِصَص) میں زکاۃ	91
62	چند اور اہم سوالات اور جوابات	92

63	زکاۃ میں تاخیر کرنے والا گناہ گار ہے	94

64	کیا زکاۃ دیتے وقت بتانا واجب ہے کہ یہ زکاۃ ہے؟	95
65	کیا مقروض کو زکاۃ دینا افضل ہے یا اس کے قرض خواہ کو؟	96
66	کیا طالب علم کو زکاۃ دی جاسکتی ہے؟	97
67	کیا غیر شادی شدہ اولاد کی شادی کے اخراجات کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے	98
68	صدقۂ جاریہ وہ ہے جسے انسان خود اپنی طرف سے دے	99
69	زکاۃ کے فوائد	100
70	مؤلف کے دیگر تالیفات	101
71	فہرست	103